گر بگو رشک بت خانہ چین است
الغرض بہشتے است کہ بر روے زمین است

سفرنامۂ کشمیر

بار اول
دسمبر ۱۹۰۲ء [illegible] ۱۳۲۰ھ



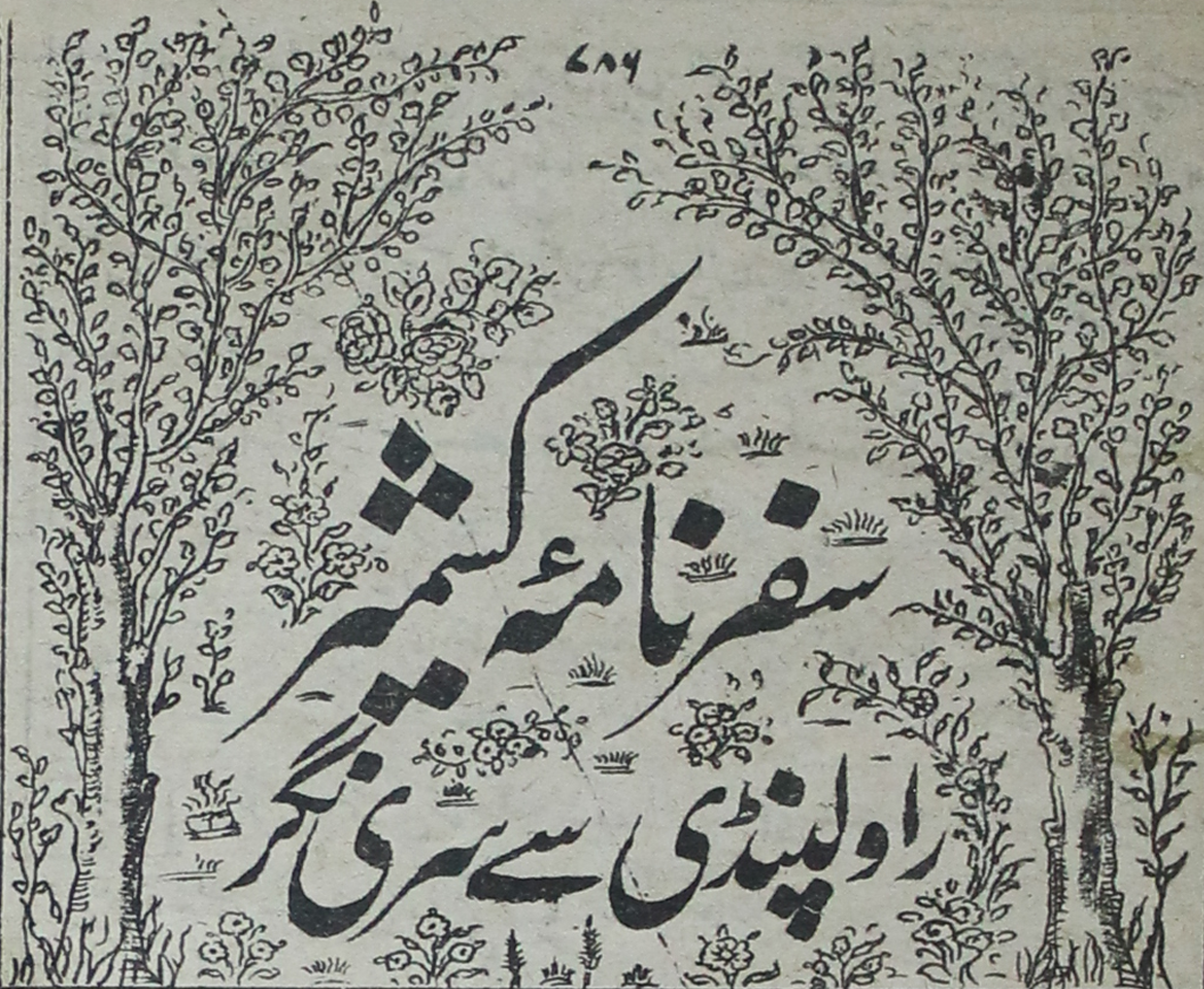
تعداد اشاعت ڈیڑھ ہزار (۱۵۰۰)

مؤلفہ

محمد الدین فوق

اڈیٹر کشمیری میگزین - لاہور

قیمت



ریل کا سفر ریل کے طفیل مہینوں کا سفر دنوں اور دنوں کا گھنٹوں میں طے ہو رہا ہے۔ جہاں ریل نہیں ہے (خصوصاً کوہستان۔ شملہ۔ کانگڑہ۔ پونچھ۔ کشمیر۔ لداخ اور دیگر دشوار گذار پہاڑی سلسلے) وہاں اس کی قدر اور ضرورت اچھی طرح ذہن نشین ہوتی ہے۔ لاہور سے راولپنڈی کا سفر صرف سات آٹھ گھنٹے کا ہے۔ جو عجیب دلبستگی کے ساتھ طے ہو جاتا ہے۔ جہلم سے آگے چند ٹنل آتے ہیں۔ جہاں تاریکی اور حبس دم کی وجہ سے کچھ گھبراہٹ سی ہو جاتی ہے۔ چونکہ ریلوے سڑک پہاڑی زمین کے قرب وجوار کی وجہ سے جہلم سے آگے بعض مقامات پر تحت وفوق کی خبر لاتی ہے اس لئے جہاں اُترائی ہوتی ہے۔ وہاں ریل کی رفتار میں تیزی اور خودروی کا ایک خاص انداز پیدا ہو جاتا ہے ؎

کشمیر کا کرایہ جب سواریوں کی کثرت ہوتی ہے تو سالم یکہ کا کرایہ جس میں تین سواریاں ہوتی ہیں۔ چالیس روپیہ تک بھی ہو جاتا ہے۔ مگر عام نرخ بتیس روپیہ فی یکہ اور فی سواری دس گیارہ روپے ہے۔ چونکہ بوجہ تبدیلی موسم ستمبر۔ اکتوبر میں کشمیر

جانے والی سواریاں بہت کم ہوتی ہیں۔ اس لئے سالم یکہ پندرہ روپے سے بیس۲۰ روپے تک میں بھی مل جاتا ہے۔ راولپنڈی سے سرینگر کا فاصلہ ۱۹۶ میل ہے۔ ٹانگہ کا کرایہ جس میں تین سواریاں بیٹھ سکتی ہیں ستر۷۰ روپے سے ایک صد روپیہ کے درمیان ہے۔ فٹن جس میں چار آدمی بآرام بیٹھ سکتے ہیں۔ دو سو روپیہ تک مل سکتی ہے۔ ڈاک کا ٹانگہ ۲۴ گھنٹہ یعنی ایک دن رات میں راولپنڈی سے سری نگر پہنچ جاتا ہے۔ اس کا کرایہ سب سے زیادہ ہے۔ پاسنجر ٹانگے اور فٹنیں بھی تین روز میں یہ سفر طے کر لیتی ہیں۔ البتہ یکہ پانچ چھ روز میں پہنچتا ہے۔ بشرطیکہ سڑک صاف ہو اور کوئی پل ٹوٹا ہوا نہ ہو۔

پہلا پڑاؤ

غرض ۲ ستمبر کی شام کو ۶ بجے راولپنڈی سے روانہ ہوا۔ دو یکے اور بھی ہمراہ تھے۔ جن میں لداخ اور یارقند کی سواریاں تھیں۔ مقام ستر۱۷ہ میل پر ہر ایک مسافر کا جو کشمیر کی طرف جاتا ہے مع ولدیت نام لکھا جاتا ہے۔ اور اسی مقام پر یکے والوں کو بھی محصول سڑک کے عا روپیہ دینے پڑتے ہیں۔ سترہ میل کسی گاؤں کا نام نہیں ہے۔ اس جگہ ایک منشی اور چند اور ملازم رہتے ہیں راولپنڈی سے ٹھیک ۱۷ میل کے فاصلہ پر ہے اور اس لئے اُسی نام سے موسوم ہے رات کے گیارہ بجے ہم پہلے پڑاؤ چھتر پر پہنچے۔ یہاں ہندو مسلمانوں کی دوکانیں موجود ہیں۔ اس لئے کسی قسم کی تکلیف نہیں ہوتی۔ یہ دوکانیں عین سڑک پر واقعہ ہیں۔ سامنے ہی ایک وسیع باغ ہے۔ جس کے ساتھ ہی دوسری طرف ایک نالہ بھی بہتا ہے۔ اس پڑاؤ سے چڑھائی کا (پہاڑی) سفر شروع ہو جاتا ہے رات کے ٹھیک دو بجے تھے۔ کہ پھر یہاں سے سوار ہو گئے۔ صبح آٹھ بجے کے قریب گھوڑا گلی کے پڑاؤ پر پہنچے۔ جو راولپنڈی سے ۳۱ میل کے فاصلہ پر ہے چونکہ مسافروں کی آمد و رفت کثرت سے رہتی ہے۔ اس لئے ہر پڑاؤ پر افراط سے دوکانیں موجود ہیں۔ راولپنڈی سے مری تک موٹر کار بھی چلتی ہے۔ مگر جس قدر مسافر دیکھے گئے وہ سب انگریز ہی تھے۔ اور دیسی بچارے سوار بھی کس

طرح ہوں۔ کیونکہ کرایہ موٹر کار کا پنڈی سے مری تک فی سواری دس روپیہ ہے۔
۴۔ستمبر کو دو بجے بعد دوپہر گھوڑا گلی سے روانہ ہوئے۔ اور مری سے ہوتے ہوئے شام کے آٹھ بجے بھگواڑی کے پڑاؤ پر قیام کیا۔ یہ پڑاؤ راولپنڈی سے ۵۱ میل کے فاصلہ پر ہے +

مری نہایت بلندی پر واقع ہے۔ اُترائی میں جا کر اس کا نظارہ نہایت دلفریب اور خوشنما معلوم ہوتا ہے۔ مری ایک اچھا خاصہ قصبہ ہے یہاں تحصیل اور تھانہ بھی ہے۔ یہاں کی آب و ہوا نہایت مفرح اور سرد و تازہ ہے۔ بنگلے کثرت سے ہیں اور ایک دوسرے سے فاصلے پر ہیں۔ یہاں سے جب ہم گذرے تو نہایت سردی تھی۔ ہاتھ۔ پاؤں اور کان یخ ہو گئے تھے۔ ایک بنگلہ میں دو انگریز اپنے تین ملازموں (خانساماں وغیرہ) کے ساتھ قومیت و حکومت کا خیال دُور کر کے ٹینس کھیل رہے تھے۔ مری میں کچھ تقاطر بھی ہو گیا۔ اور بھگواڑی میں تو وہ کھل کے برسا کہ جل تھل ایک کر دیئے۔ بھگواڑی کے پہاڑوں میں دریائے جہلم ایک چھوٹے سے نالہ کی شکل میں بہتا ہوا دکھائی دیا۔ اس سفر میں رات کو پسّو بہت تنگ کرتے ہیں۔ اور یہ تکلیف کشمیر کے تمام سفر میں پیچھا نہیں چھوڑتی۔ بھگواڑی سے دوسرے دن بتاریخ ۵۔ستمبر بوقت ۶ بجے صبح روانہ ہو گئے +

دوسرا پڑاؤ

دس بجے کے قریب کوہالہ کے پتّن پر پہنچے۔ جہاں انگریزی حد کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ کوہالہ نہایت تنگ اور گنجان بستی ہے۔ یہاں چاروں طرف پہاڑ ہی پہاڑ ہیں۔ میدان نام کو بھی نہیں ہے۔ اس لئے مکانات (جو لکڑی کے ہیں) بدوضع اور تنگ ہیں۔ دریائے جہلم نے کوہالہ کے دو حصّے کر دیئے ہیں سب سے پہلا جو حصّہ آتا ہے۔ اس میں صرف دوکانیں اور سرکاری مکانات ہیں۔ یہاں ایک وٹرنری اسسٹنٹ گھوڑوں کا طبی معائنہ کرتا ہے۔ دریائے جہلم جو بھگواڑی سے شروع ہو کر ہمارے دائیں پہلو میں بہ رہا تھا۔ یہاں پل کے ذریعہ بائیں ہاتھ کو ہو جاتا ہے۔ اس پل کے ساتھ ہی ایک اور پل کے آثار بھی دکھائی

دیئے۔ جو معلوم ہوا کہ طوفان آب میں دریا برد ہو گیا تھا۔ پل سے اتر کر ریاستی انتظام کی بسم اللہ چنگی والے شروع کرتے ہیں۔ جن مسافروں کو کشمیر جانا ہوتا ہے۔ اُن سے محصول نہیں لیا جاتا۔ کیونکہ دومیل میں بھی اسباب دیکھا جاتا ہے۔ جن لوگوں کو لداخ یا یارقند جانا ہو۔ محصول تو اُن سے بھی نہیں لیا جاتا۔ مگر انکی گٹھڑیاں (نگ) گن لیتے اور خام رسید دیدیتے ہیں۔ البتہ جن کو صرف دومیل جانا ہو۔ اُن کو کوہالہ میں ہی محصول دینا پڑتا ہے۔ کوہالہ سے ایک رستہ پونچھ کو بھی نکل جاتا ہے دوپہر کو ہم چھتر پہنچے۔ جہاں صرف چند دوکانیں تھیں۔ تین گھنٹے کے قیام کے بعد شام کے قریب ہم دومیل میں پہنچ گئے ؛

تیسرا اڈا

دومیل میں بھی ایک دفعہ پل ٹوٹ گیا تھا۔ مگر اب جو نیا پل بنایا گیا ہے وہ نہایت مضبوط اور خوبصورت ہے۔ دومیل پل کے پار آباد ہے۔ اس کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ یہاں دو دریاؤں کا ملاپ ہوتا ہے ایک جہلم دوسرا کشن گنگا۔ یہاں دوکانیں بکثرت تو نہیں مگر کافی ہیں۔ یہاں رات بسر کرنے کے لئے کوئی مکان نظر نہ آیا۔ اس لئے دریا کے پار گئے۔ تا کہ پل کے کمروں میں کوئی جگہ دیکھیں مگر وہاں پہلے ہی جائے تنگ است مرداں بسیار کا مضمون تھا۔ آخر پل کے کمروں میں جو دریا کے بالکل قریب ہیں۔ رات بسر کی۔ یہاں پل کی ایک دیوار پر مندرجہ ذیل الفاظ لکھے ہوئے دیکھے "تاریخ مسند نشینی مہاراجہ رنبیر سنگھ صاحب بہادر ہشتم ماہ پھاگن سمت ۱۹۱۲" یہاں بھی گھوڑوں کا طبی معائنہ ہوتا ہے۔ کوہالہ اور دومیل کے درمیان کاغان کا علاقہ ہے۔ جو بہت بلند پہاڑوں پر ہے۔ اور جس کی حدود مانسہرہ سرکاری علاقہ سے ملتی ہیں۔ کشن گنگا اور کوہالہ کے درمیان کاغان کے پہاڑوں سے ایک دریا بنام کاغان بھی آکر جہلم کے ساتھ شامل ہو جاتا ہے۔ علے الصباح ڈاکٹری معائنہ کے بعد چنگی خانہ میں پہنچے۔ یہاں اسباب کی خوب دیکھ بھال ہوتی ہے۔ یارقندی اور لداخی اسباب پر مُہریں لگا دی گئیں۔ میرا اسباب بھی دیکھا۔ یہاں تھا ہی کیا۔ کچھ پرانے اور کچھ دُھلے ہوئے کپڑے۔ کچھ کشمیری میگزین کی کاپیاں اور کچھ اشتہارات

ایک چھوٹے سے بنڈل میں دوسو مطبوعہ کارڈ۔ جب کوئی قابل محصول چیز نہ ملی۔ تو سٹ پٹائے۔ آخر کارڈوں پر ایک پیسہ محصول لگا دیا کہ آن تو نہی رہے۔ میں نے بھی اس خیال سے کہ نظر نہ لگ جائے کوئی حجت نہ کی۔ یہاں یہ بڑا ظلم ہے کہ ذاتی استعمال کے نئے سلے ہوئے کپڑوں کو بھی بغیر محصول کے نہیں چھوڑتے۔ ایک شخص کی حالت قابل ذکر ہے۔ وہ خود اُس کی بیوی اور چار بچے ایک سالم یکہ میں تھے۔ راہ میں چونکہ بارش وغیرہ کا خطرہ تھا۔ اُنھوں نے اس خیال سے کہ کپڑے خراب ہو جائینگے۔ نئے کپڑے تو گٹھڑیوں میں بند رکھے اور پُرانے پہن لئے مگر محصول والوں نے ایک کپڑا بھی بغیر محصول کے نہ رہنے دیا۔ یہانتک کہ اُن کی ذاتی جوتیاں اور اُس کی عورت کا دوپٹہ اور کُرتہ اور اُس کے بچوں کے سلے ہوئے پارچات بھی نہ بچ سکے۔ محصول جب چھ سات آنے کے قریب دینا پڑا۔ تو بچارے نے افسوس کے لہجہ میں کہا کہ میلے ہو جاتے تو بلا سے۔ یہ چھ سات آنے تو نہ دینے پڑتے۔ خراب ہونے کی صورت میں ایک آنہ کے صابن سے گھر ہی میں صاف ہو سکتے تھے۔ غرض یہاں سے نجات حاصل کرنے پر دس بجے کے قریب (۵) ستمبر کو گرڑھی کے پڑاؤ پر پہنچے۔ جہاں پانچ چار گھنٹے آرام کیا۔ گرڑھی دریا کے پار ہے۔ یہاں کا پُل عجیب قسم کا ہے۔ دریا کے دونوں طرف دو لکڑیاں کھڑی کیگئی ہیں۔ جو مضبوط رسیوں کے ذریعہ ملادی گئی ہیں۔ یہی رسیاں پُل ہیں۔ اور انہیں کے ذریعہ لوگ دریا کو عبور کرتے ہیں۔ ناواقف آدمی کا ان پر چلنا تو کجا۔ دیکھکر ہی کلیجہ کانپ اُٹھتا ہے۔ اس پُل کے ذریعہ دو آدمیوں سے زیادہ ایک مرتبہ میں نہیں جا سکتے۔ سرائے یہاں کی بوجہ گھوڑوں کی لید وغیرہ کے گندی تھی۔ اور مچھروں کا تو کوئی حساب نہ تھا۔ قریباً تین بجے یہاں سے روانہ ہوئے۔ رستے میں معلوم ہوا کہ کثرت بارش کے باعث گرڑھی سے چناری اور چناری سے چکوٹھی کے درمیانی پل ٹوٹ گئے ہیں۔ اس سڑک کا حصہ جو گرڑھی سے چکوٹھی تک ہے۔ ہمیشہ مخدوش رہتا ہی کیونکہ اس علاقہ میں بر لب راہ جو پہاڑ ہیں وہ بالکل کچے اور خطرناک ہیں۔ بارش

کے دنوں میں اس حصہ کے درمیانی پُل عموماً بہ جاتے یا ٹوٹ جاتے ہیں۔ پہاڑ کا کچھ حصہ بھی کہیں کہیں سے گر پڑتا ہے۔ اور بعض جگہ جب نظر اٹھا کر دیکھا جاتا ہے۔ تو معلوم ہوتا ہے کہ بس اب گرا ہی چاہتا ہے۔ ان وجوہات سے رستہ ناقابل گذر ہو جاتا ہے۔ مگر اتنا اطمینان ہے۔ کہ "مدد" ایسے مخدوش مقامات پر تیار رہتی ہے۔ ایک دن اور زیادہ سے زیادہ دو دن میں پُل گذارے کے موافق پھر تیار ہو جاتا ہے چنانچہ پہلا پُل ہمارے پہنچنے تک عارضی طور پر تیار ہو چکا تھا۔ اور کراچیاں (جن پر مال اسباب لدا ہوتا ہے) گذر رہی تھیں۔ یہاں ہم کو شام ہو گئی۔ عین اندھیرے کے عالم میں چناری پہنچے۔ راستہ میں عجیب دلفریب سینریاں نظر آئیں۔ جو قدرت نے رات کے لئے ہی مخصوص کر رکھی ہیں۔ نزدیک و دُور کے بلند پہاڑوں پر جو آبادیاں تھیں۔ وہاں سے روشنی بالکل ستاروں کا سماں دکھا رہی تھی۔ بعض مقامات پر روشنی یہاں تک بلند تھی۔ کہ آسمان سے ملی ہوئی تھی۔ اس نظارے نے رستہ کی تمام کلفت و تاخیر کا رنج دُور کر دیا۔ چناری کوئی پڑاؤ نہیں ہے یہاں صرف ٹانگہ ایجنسی ہے جہاں گھوڑے بدلے جاتے ہیں۔ یہاں ایک بہت بڑا چنار کا درخت ہے۔ جس کے نیچے ایک پختہ چبوترہ ہے۔ جہاں بیسیوں آدمی بآسانی بیٹھ سکتے ہیں۔ یہی وجہ اس مقام کے نام کی ہے۔ یہاں اکثر مسافر جو پُل ٹوٹ جانے کے باعث آگے نہیں جا سکتے تھے۔ مقیم تھے۔ اور یہ چبوترہ ہی اُن کو چارپائی کا کام دیتا تھا۔ پسو اور مچھر یہاں بھی کثرت سے ہیں۔ یہاں کل چھ سات دوکانیں ہیں۔ جن میں دو (ایک ہندو ایک مسلمان) نان بائیوں کی ہیں۔ یہاں کھانا بھی اچھا نہ ملا۔ سوائے مٹر کی دال اور ہوائی چپاتیوں کے کوئی اَور کھانا تیار کرنا نان بائی کے لئے قسم کے برابر تھا۔ اور دال بھی اگر کوئی اپنی آنکھ سے بنتی اور پکتی دیکھ لے۔ تو کبھی کھانے کی جرأت نہ کرے اور نہ کھائے تو بھوکا مرے۔ یہاں چارہ بھی پچھلے پڑاؤں کی نسبت بہت مہنگا تھا۔ مگر معلوم ہوتا ہے اس گرانی کا باعث صرف پُل کا ٹوٹ جانا تھا۔ کیونکہ جب تک پُل تیار نہ ہو۔ گاڑی بانوں کو مجبوراً یہیں ٹھیرنا پڑتا ہے اور لامحالہ جس نرخ سے انہیں

چو کچھ ملے لینا پڑتا ہے - یہاں وہ بھی ۲ ر سیر تھا - حالانکہ پچھلے پڑاؤں میں ۱ ر سے ۱ ر تک تھا - طلوع آفتاب کے بعد معلوم ہوا کہ آج تمام دن یہیں رہنا پڑیگا کیونکہ پل شام تک بمشکل تیار ہو سکے گا - پل یہاں سے ۱/۲ میل کے فاصلہ پر تھا - میں خود وہاں گیا - اور دیکھا کہ دو دو فٹ کیچڑ سڑک پر جمع ہے - اور تیس فٹ اونچے ایک پہاڑی کونہ سے جو پل کے عین سر پر ہے - پانی اس زور سے بہ رہا ہے کہ اس کی آواز دور دور جاتی تھی - یہ پانی نہایت گندا اور میلا اور سرخ رنگ کا تھا - معلوم ہوا کہ اس پہاڑ کے اوپر ایک اونچا پہاڑ ہے - اس کا کوئی کونہ بارش کے باعث گر پڑا ہے جو پگھل پگھل کر پانی کو "خونی" بنا رہا ہے - یہاں یہ بیان کرنا بھی ضروری ہے - کہ فٹنوں اور ٹانگوں کے مسافروں کو پل ٹوٹ جانے کی حالت میں بھی چنداں تکلیف نہیں ہوتی - کیونکہ ایجنسی کی طرف سے پل کے دونوں طرف ٹانگے وغیرہ موجود رہتے ہیں - جن کی وجہ سے مسافروں کو سوائے چند قدم پیدل چلنے کے کوئی دقت نہیں - کئی انگریز گھٹنوں تک کیچڑ میں لت پت تھے - دو انگریزوں نے جو بائیسکلوں پر آئے تھے - بڑی مصیبت سے مزدوروں کو دو چار روپے دے کر ۲۰ - ۲۵ قدم کا فاصلہ جس پر کیچڑ کی کثرت تھی طے کیا - ایک میم صاحبہ بھی ایک صاحب بہادر کے ساتھ تھیں "صاحب" نے بہت زور لگایا کہ کسی طرح "میم صاحب" دیسی مزدور کی پیٹھ پر سوار ہو جائیں - اور نزاکت و نفاست کا خیال نہ کریں - مگر میم نے باوجود اس کے اصرار کے دیسی کو اس قابل بھی نہ سمجھا - کہ اسے بار برداری کا جانور ہی بنا لے - آخر صاحب بہادر کے کہنے سے مزدوروں نے جلد جلد کیچڑ ہٹانا شروع کیا - میم - صاحب کے ہاتھ میں ہاتھ دئے بیم ورجا کی حالت میں گذرنے لگی - مگر اس کی کمر سو سو بل کھا رہی تھی - اور چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں - وہ اور صاحب آئے - ان کی تپلون اور لانگ بوٹ سب کیچڑ میں بھرے ہوئے تھے - غرض پانچ بجے شام کے یہ پل اس قابل ہو گیا - کہ اس پر سے گاڑیاں وغیرہ (سوائے کراچیوں کے جن پر بے حساب بوجھ ہوتا ہے) گذر سکیں - چونکہ فاصلہ اگلے پڑاؤ تک صرف تین چار میل کا تھا - اس لئے ہم شام ہی

کو چکوٹھی میں پہنچ گئے ؛

چوتھا پڑاؤ ہر سرکاری پڑاؤ پر ریاست کی طرف سے مہاراجہ صاحب بہادر کے "ریسٹ ہوس" کے علاوہ مسافروں کے لئے بھی ڈاک بنگلے بنے ہوئے ہیں۔ مگر عموماً ان سے انگریز لوگ ہی فائدہ اٹھاتے ہیں۔ دیسی بہت کم ٹھیرتے ہیں۔ یہاں شب باشی کا خرچ کرایہ بنگلہ و خوراک سمیت دو روپے کے قریب ہے۔ چکوٹھی میں رات کو بڑے زور سے بارش ہوئی۔ اگر یہی بارش پچھلے عارضی پڑاؤ یعنی چناری پر ہو جاتی۔ تو غالباً دو تین دن وہاں اور ٹھیرنا پڑتا۔ چار بجے کے قریب آسمان صاف ہو گیا۔ پانچ بجے علی الصباح ہم روانہ ہو گئے۔ اور ۱۰ بجے (۷ ستمبر کو) اُوڑی جا پہنچے۔ اوڑی کا پرانا قلعہ جو انقلاب زمانہ سے اب ایک معمولی عمارت نظر آتا ہے۔ دریا کے عین کنارہ پر سڑک سے ملحق ہے۔ یہاں تھانہ تحصیل۔ تار گھر۔ ڈاک خانہ اور سکول بھی ہے۔ اُوڑی بلحاظ رونق ایک اچھا پڑاؤ ہے۔ یہاں کا ڈاک بنگلہ نہایت خوبصورت اور وسیع ہے۔ یہاں سے پونچھ کو دو رستے جاتے ہیں۔ ایک پگڈنڈی کا ہے جو علی آباد سے ہو کر پیر پنجال پر جا پڑتا ہے دوسرا سیدھی سڑک کا ہے۔ جو اُوڑی سے آگے تین میل کے فاصلہ پر ہے۔ اور جہاں ایک تختہ پر TO POONCH لکھا ہوا ہے۔ چند میل آگے جا کر رامپور کا علاقہ آیا۔ جہاں بجلی کا کارخانہ کئی سال سے ایک عظیم پیمانہ پر تیار ہو رہا ہے۔ اس عظیم الشان کارخانہ کی عالیشان عمارات اور متعلقہ دفاتر پر اس وقت تک لاکھوں روپے خرچ ہو چکے ہیں۔ دریا کی دوسری طرف سے پتھر ڈھونے کے لئے ایک پل بنایا گیا ہے لکڑی کی وہ مصنوعی نہر بھی دیکھی۔ جو قریباً ۲۰ میل تک لمبی ہے۔ اور جس پر لکڑی کی چھت ڈالی گئی ہے۔ یہ نہر کہیں تو پہاڑوں کے اوپر چلی گئی ہے۔ کہیں بالکل زمین کے برابر ہے۔ اور کہیں زمین کو بھی کھودنا پڑا ہے۔ اس کی دیواریں بعض جگہ تو لکڑی کی ہیں اور بعض جگہ پختہ اینٹوں سے تعمیر کی گئی ہیں۔ اس میں کمال یہ ہے کہ باوجود اس نشیب و فراز کے کہ بعض جگہ تو نہر آسمان پر ہے۔ اور بعض جگہ زمین کے بھی نیچے۔ اس کی سطح بالکل ہموار اور صاف ہے۔ یہ نہر دریا ہی سے نکالی گئی ہے۔ اور بذریعہ

کارخانہ بجلی دریا ہی میں مل جاتی ہے - چونکہ ابھی نہر بھی نامکمل ہے اور کارخانہ بھی تکمیل کو نہیں پہنچا - اس لئے ابھی پانی سے خالی ہے - بجلی کا تار بھی دیکھا - جو کئی پیچ کھا کر کبھی دریا کو عبور کرتا اور کبھی پھر واپس آجاتا ہے - اس تار کی خاطر بعض عمدہ درخت اور باغیچے ویران اور خراب کر دیئے گئے ہیں - اس تار کے ڈنڈے دوسری تار سے بالکل مختلف اور ہیئت میں بہت بڑے ہیں - اس عظیم الشان کارخانہ اور اُس کی شاخوں کے خرچ کا کوئی حساب نہیں ہے - اندازہ کے لئے صرف اس قدر لکھنا ہی کافی ہے کہ لکڑی کی نہر پر جو ابھی نامکمل ہے چار پانچ لاکھ روپیہ سے زیادہ خرچ ہو چکا ہے - سیکڑوں اور ہزاروں ملازم اور مزدور اپنا پیٹ پال رہے ہیں - اور محض اسی رونق کی وجہ سے چند دوکانیں بھی برلب سڑک موجود ہیں - ۱½ بجے کے قریب رامپور جا پہنچے - جہاں ایسی ہی سردی ہے جیسی کہ مری میں تھی - یہاں تھوڑی دیر آرام کرنے کے بعد روانہ ہوئے - اور شام کو بارہ مولہ پہنچے - جہاں سے دراصل کشمیر شروع ہوتا ہے اور جس کو کشمیر کا دروازہ کہنا ناموزون نہ ہوگا ؎

پانچواں پڑاؤ بارہ مولہ میں محب قدیم حکیم سید حسین صاحب رضوی تحصیلدار اور مخدومی خواجہ صمد جو صاحب گگر ڈور ئیس بارہ مولہ کا پتہ دریافت کیا - معلوم ہوا کہ دونوں صاحب گلمرگ میں ہیں جہاں مہاراجہ صاحب بہادر چند دنوں کے لئے مقیم تھے - منشی غلام محمد صاحب خادم مینجر خادم ایجنسی سری نگر نے تحصیلدار اور خواجہ صاحب کی عدم موجودگی سے مطلع ہو کر ڈاکٹر سید اولاد علی صاحب وٹرنری اسسٹنٹ اور شیخ فتح محمد صاحب ڈپٹی انسپکٹر پولیس کو میری آمد کی اطلاع دیدی تھی - اس لئے دونوں صاحبان نہایت اخلاق و مروّت اور شان مہمانداری سے پیش آئے - صبح ۸ ستمبر کو ۹ بجے کے قریب ہمارے تینوں یکے سری نگر کو روانہ ہو گئے - بارہ مولہ سے بالکل میدانی علاقہ شروع ہوتا ہے - پہاڑ یا تو پیچھے دکھائی دیتے ہیں - یا دائیں بائیں وہ بھی فاصلہ پر - مگر سامنے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شاید پہاڑوں کا سلسلہ اب کہیں گم ہو گیا ہے - خدا کی قدرت ہے - کہ ایسے رفیع و وسیع پہاڑوں میں جہاں بعض مقامات

پر ایک بیگہ زمین بھی صاف نظر نہ آتی تھی۔ بارہ مولہ سے اسلام آباد۔ بانڈی پورہ۔ سوپور۔ ہندواڑہ وغیرہ سوسوا سو میل کے فاصلہ تک زمین نہایت صاف اور قابل زراعت ہے۔ اکثر کوہستانی علاقوں کی سیر کی ہے مگر جس وسعت میں یہ میدانی علاقہ نظر سے گذرا ہے کہیں نہیں دیکھا۔ اور درحقیقت اسی علاقہ کا نام کشمیر ہے۔ بارہ مولہ سے کچھ اور ہی عالم ہو جاتا ہے۔ دریا کا وہ زور شور جو کانوں کے پردے پھاڑتا تھا اور جس کی لہروں اور ٹھاٹھوں میں کئی انسان گم ہو جاتے تھے۔ یہاں بالکل بے نام و نشان تھا۔ دریا کی روانی نہایت خاموشی کی حالت میں اور سطح بالکل ہموار تھی اور یہی وجہ تھی کہ یہاں کشتیاں بھی چل رہی تھیں۔ بارہ مولہ سے سرینگر تک جو دلفریب سڑک ہے وہ اپنی شان میں بالکل نرالی ہے۔ دورویہ سفیدہ کے درخت کیسے خوبصورت معلوم ہوتے ہیں۔ جیسے سبز پوش پلٹن سفید پتلونیں ڈانٹے کھڑی ہے۔ پیرزادہ صاحب اس سین سے متاثر ہو کر لکھتے ہیں۔ ~

ہوا کشمیر میں داخل تو میں نے بارہ مولا میں ہر سُو کوٹ اور پتلونیں سفید اُنکی یہ وردی ہے اثر منظر کا کیا دل پہ ہوا کچھ کہہ نہیں سکتا	سفیداروں کی پلٹن کو سر رہ پر جا دیکھا برابر ہیں کوئی اُن میں نہ چھوٹا اور بڑا دیکھا سماں سیری نہ آنکھوں نے کبھی پہلے یہ تھا دیکھا

سڑک کے اردگرد فصل عمدہ حالت میں تھی۔ اور زمین بالکل پنجاب کا زرخیز علاقہ معلوم ہوتی تھی۔ آخر اتنے سفر کے بعد ۸ ستمبر کو بروز اتوار بوقت چار بجے شام اس کشمیر میں پہنچے۔ جس کی نسبت مدت سے یہ سنتے آئے ہیں ~

ہر سوختہ جانے کہ بکشمیر درآمد	گر مرغ کباب است کہ با بال و پر آمد

سفر کے متعلق چند اور باتیں

جب تک دونوں موسموں کی بہار و خزاں نہ دیکھی جائے۔ اور گرمی و سردی کا لطف نہ اٹھایا جائے۔ سفر کشمیر ہمیشہ نامکمل سمجھا جائے گا سردی عموماً نومبر اور بالخصوص دسمبر سے شروع ہو کر آخر فروری یا نصف مارچ تک شدت سے رہتی ہے۔ کیونکہ انہیں دنوں میں برف باری شروع ہوتی ہے۔ سردی کے بعد "پھولوں کی سیر" سے مرجھائے ہوئے دل کا شگوفہ بھی کھل جاتا ہے

اگر خدا نے توفیق دی ہو۔ تو ٹانگہ پر سفر کرنا چاہئیے۔ یکّہ میں نہ صرف کمر ہی ٹوٹ جاتی ہے بلکہ بعض اوقات جبکہ سامنے سے ٹانگہ یا فٹن آرہی ہو۔ جان کا خطرہ بھی ہوتا ہے کیونکہ یکہ کو دریا کی جانب ہٹنا پڑتا ہے۔ اور بعض جگہ سڑک ایسی تنگ ہے کہ پہئیوں سے پہئیے مل جاتے ہیں۔ نیچے نظر کرو۔ تو دریا کی لہریں جوش وخروش میں جھاگ مُنہ سے نکال رہی ہیں۔ اوپر دھیان کرو۔ تو معلوم ہوتا ہے کہ پہاڑ کی شکل میں ایک کالا دیو سر پر کھڑا ہے۔ اجنبی مسافر یہ خوفناک سین دیکھکر ضرور دہل جاتا ہے۔ ٹانگہ میں گو کرایہ بہ نسبت دُگنے کے بھی زیادہ خرچ ہو جاتا ہے مگر جو آرام نصیب ہوتا ہے۔ جب اُس پر نظر کیجاتی ہے۔ تو اطمینان ہو جاتا ہے۔ ٹانگہ میں زیادہ سے زیادہ تین دن میں آدمی کشمیر پہنچ جاتا ہے۔ پھر ڈاک بنگلوں میں ایسا آرام ہے۔ جہاں قریباً دو روپے خرچنے سے نہ صرف کھانا ہی عمدہ نصیب ہوتا ہے۔ بلکہ ملازم بھی ہر وقت موجود رہتے ہیں۔ اور پسوؤں اور مچھروں سے بھی نجات مل جاتی ہے +

کچھ ساتھیوں کی کیفیت

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اُن ساتھیوں کی مختصر سی کیفیت بھی بیان کر دی جائے۔ جو قریباً دو سو میل یعنی سری نگر تک میرے ہم سفر رہے ان میں سات ہندو اور ایک مسلمان تھا۔ یہ سب لوگ یارقند اور لداخ میں تجارت کرتے تھے۔ مسلمان جو یارقند کا رہنے والا تھا اُن کا ملازم تھا۔ کچھ مال (کریانہ وغیرہ) ان کے ہمراہ تھا اور بہت سا مال جس کی مالیت قریب دو لاکھ کے تھی۔ یہ لوگ اپنی روانگی سے پہلے ہی بمقام سری نگر حاجیوں کی سرائے میں اپنے ایجنٹ کے پاس بھیج چکے تھے۔ یہ سب لوگ ہوشیار پور کے رہنے والے تھے۔ ان کا سرگروہ لالہ سکھورام داس تھا جو پندرہ سولہ سال سے یارقند میں تجارت کا کام کر رہا ہے۔ کچھ آدمی لداخ رہ جائینگے۔ اور کچھ سیدھے یارقند جائینگے۔ سری نگر سے لداخ پندرہ دن کا نہایت سنگلاخ اور دشوار گذار رستہ ہے۔ لداخ سے باربرداری کے ٹٹو بدل لئے جاتے ہیں۔ کیونکہ لداخ سے یارقند کا رستہ اَور بھی دشوار بلکہ خطرناک ہے۔ اور وہاں لداخی ٹٹو ہی کام دے سکتے ہیں۔ لداخ سے یارقند ۳۵ دن کا رستہ ہے۔ چار دن

طرف پہاڑ ہی پہاڑ ہیں وہ بھی برفوں سے لدے ہوئے۔ سبزہ کا نام و نشان نہیں چند منزلیں طے کرنے پر آبادی بھی کہیں نظر نہیں آتی۔ کئی دن تک انسانی صورت کے دیکھنے کو آدمی ترس جاتا ہے۔ سردی کا وہ زور کہ شملہ و کشمیر اُس کے آگے ہیچ ہیں اس پر لکڑی کا کہیں نام تک نہیں۔ پانی کی یہ حالت ہے۔ کہ نہ کہیں باؤلی ہے نہ چشمہ ہے۔ نہ کنواں ہے۔ ندی نالے ہیں۔ وہ بھی کہیں کہیں اور اُن میں بھی برفوں کا پانی۔ اور ایسا سرد۔ کہ ہاتھ پر رکھو تو ہاتھ نہیں اور زبان پر رکھو تو زبان نہیں۔ جہاں کہیں دن ختم ہوتا ہے یا پانی نظر آتا ہے۔ یہ ہوشیار پوری قافلہ ایک چھولداری لگا لیتا ہے اور اُس میں سمٹ جاتا ہے۔ لوئیاں۔ نمدے۔ لحاف۔ پوستین۔ غرض تمام گرم سامان ان کے ساتھ ہوتا ہے۔ ایک لالٹین اور تیل کی دو تین بوتلیں بھی ساتھ رکھتے ہیں۔ لداخ ہی سے ایک ماہ کے لئے کھانے پینے کا انتظام کر لیتے ہیں۔ روٹیاں سیکڑوں کے حساب میں پکوا لیتے۔ اور ہر قسم کی مٹھائی اور اچار وغیرہ بھی ساتھ رکھتے ہیں لداخ سے یارقند ۳۵ پڑاؤ اور ۵۷۰ میل ہے۔ یارقند میں ایک پنجابیوں کی سرائے ہے۔ جہاں یہ سب لوگ بود و باش رکھتے ہیں۔ پنجابی وہاں ۲۵-۳۰ کی تعداد میں ہیں۔ وہاں معمولی تجارت کے علاوہ سُود کا بیوپار بھی کرتے ہیں۔ سُود پہلے دس روپیہ فی سیکڑہ لیتے رہے ہیں۔ مگر اب تھوڑے عرصہ سے ۴ روپیہ فیصدی کے حساب سے لیا جاتا ہے۔ مسلمانو! کچھ معلوم ہے۔ تجارت پر دُگنا تگنا منافع اور سُود دینے اور بعد میں گھربار کی قُرقیاں کرانے والے کون ہیں۔ آہ جگر پھٹ جاتا ہے جب اس کے جواب میں مسلمان کا نام سنائی دیتا ہے۔ اور سینہ جل اُٹھتا ہے۔ جب اس بدنصیب قوم کی یہ دردناک حالت دیکھی جاتی ہے۔ زمانہ شناس (ہندو) قوم کو دیکھو۔ اس نے کن مصیبتوں اور تکلیفوں سے یہ مہینوں کا سفر وطن سے کالے کوسوں دُور طے کر کے دولت حاصل کی ہے۔ مگر مسلمان کچھ ایسے خواب غفلت میں ہیں کہ دنیا جانتے ہیں لینے کا نام ہی نہیں پڑھے۔ حکومت یارقند میں چینی ہے۔ زبان ترکی بولی جاتی ہے۔ پردہ کی رسم جاری ہے۔ یارقند سے افیون۔ چرس۔

قالین - ریشم - بندے - پشم وغیرہ کا سامان پنجاب میں لاتے ہیں - اور یہاں سے ہر قسم کا کپڑا خصوصاً اطلس - بانات - صوف - الپاکہ اور دیگر کریانہ کا مال جاتا ہے - یارقند میں ہوشیارپوری تاجر کلو (کانگڑہ) کے رستے بھی جاتے ہیں - مگر کشمیر کا رستہ اُس کی نسبت آسان بیان کیا جاتا ہے - تعجب ہے کہ اس طرف ابھی تک مسلمانوں کا تو نام ہی نہ لیجئے - وہ گھر ہی میں تجارت کرنا نہیں جانتے - باہر کیا کرینگے - کسی ہندو ساہوکار یا بنئے کو بھی خیال نہیں آیا - جس شخص کے پاس ایک ہزار روپیہ ہو - وہ یارقند میں صرف اس کے سود ہی سے للغہ روپیہ ماہوار کما سکتا ہے - اور تجارت میں تو دُگنے تگنے ہیں +

کشمیر میں داخل ہونے کے مختلف رستے

کشمیر یعنی سرینگر خاص پہنچنے کے لئے کئی ایک راستے ہیں - مگر سب سے زیادہ مشہور اور رائج الوقت ان دنوں کوہ مری کا رستہ ہے - کیونکہ راولپنڈی سی سرینگر تک سڑک عمدہ بن گئی ہوئی ہے - اور ٹانگہ اور یکہ اس پر بڑی آسانی سے آتے جاتے ہیں - اس سڑک پر منزلیں حسب ذیل ہیں -

راولپنڈی - بھاراکہو - (۱۳ میل) ترٹ (۲۵) کوہ مری (۳۸) کوہالہ (۶۵) دولائی (۷۷) دومیل (۸۶) گڑھی (۹۸) ہٹی (۱۰۹) چکوٹھی (۱۲۱) اوڑی (۱۳۴) رامپور (۱۴۷) بارہ مولہ (۱۶۱) پٹن (۱۷۸) سرینگر (۱۹۶ میل) ان سب جگہوں پر ڈاک بنگلے موجود ہیں - مگران مقامات کے علاوہ دیگر مقامات - اوجڑیاں - ڑاوے - چھتر - گھوڑا گلی بگلا - ہاتھی پتو - باسیاں - شاہدرہ - کلیان - چنار - سلام آباد - اوپی - شیری وغیرہ بھی ہیں - دوسرا راستہ - اس سے قدرے دشوار - مگر زیادہ تر دلچسپ پیرپنجال کا ہے - کیونکہ جسقدر نیچرل سینری اس راستہ میں ہے - دوسرا کوئی راستہ اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا - جن دنوں راولپنڈی تک ریلوے تعمیر ہوئی تھی تو اسوقت اسی راستہ سے آمدورفت ہوا کرتی تھی - اب بھی جو اصحاب قدرتی نظاروں کے دلدادہ ہیں - وہ یہی راستہ آمدورفت کیواسطے تجویز کرتے ہیں - یہ راستہ صرف پانچ ماہ (جون لغایت اکتوبر) کھلا رہتا ہے - زاں بعد سیاحان و مسافران براستہ پونچھ آتے جاتے ہیں - تفصیل منازل

حسب ذیل ہیں:- گجرات (ریلوے سٹیشن)- بھمبر (۲۸ میل) سید آباد (۴۲) نوشہرہ (۵۴) چنگس سرائے (۶۸) راجوری (۸۲) تھنہ منڈی (۹۶) برم گلہ (۱۰۶) پشیانا (۱۱۶) علی آباد سرائے (۱۲۷) میر پور (۱۳۰) شوپیان (۱۴۸) رامو (۱۶۰) سرینگر ۱۷۸ میل۔ مگر جب پیر پنچال پر برف باری کے سبب راستہ مسدود ہو جاتا ہے۔ تو پونچھ کے راہ سے حسب ذیل منازل طے کرنی پڑتی ہیں۔ (چڑھائی کیوقت) چھٹی منزل تھنہ منڈی سے سوُرن (۱۰۲ میل)۔ (واپسی یعنی اُترائی کے وقت) ساتویں منزل برم گلہ سے سوُرن۔ سہیڑہ (۱۲۳) پونچھ (۱۳۲) کہوٹہ (۱۴۱) علی آباد (۱۴۹) حیدر آباد (۱۵۶)۔ اوڑی (۱۶۶ میل دسویں منزل) لیکن پونچھ سے اوڑی تک کی مسافت دو روز میں بآسانی طے کر لیجاتی ہے۔ تیسرا راستہ۔ براہ ایبٹ آباد ہے۔ حسن ابدال (ریلوے اسٹیشن) سے بذریعہ ٹانگہ پانچ چھ گھنٹہ میں مسافت (براہ ہری پور) ایبٹ آباد تک طے کر لیجاتی ہے۔ وہاں سے مانسہرہ (۱۶ میل) گڑھی حبیب اللہ (۳۴) منازل طے کرتے ہوئے مقام دو میل (۵۴) چھٹی منزل پر ٹانگہ روڈ سے اتصال ہو جاتا ہے۔ کشمیر ریلوے اسی رستہ پر تیار ہو گی ÷ چوتھا راستہ۔ جہلم سے ڈولیال (۱۴ میل- نگر دٹ (۲۸) چوکھ (۳۸) بیاری (۴۵) سنسر (۵۷) کوٹلی (۶۷) سہرٹہ (۸۸)- پونچھ (۱۰۴) وہاں سے براستہ اوڑی- سرینگر (۱۹۸ میل) ہے۔ ایک اور راستہ نزدیک تر جہلم سے کٹیالہ (۸ میل) میر پور (۲۲) چوکھ (۳۲) رون (۴۰) گل پور (۵۳) کوٹلی (۶۵) وہاں سے براہ پونچھ و اوڑی- سرینگر (۱۸۹ میل)۔ علاوہ ازیں چند اور پانچ راستے سرینگر کے ہیں۔ براستہ ¹ درہ بنہال (۱۷۸) اکھنور و راجوری (۱۷۴) ² کشتواڑ (۲۷۲) بھدرواہ (۲۶۹) درہ بڈیل۔ نیز پٹھانکوٹ۔ شملہ اور چنبہ سے بھی براہ راست آمد و رفت ہوتی ہے ÷

شہر سری نگر اور علاقہ زینہ گیر

شہر سرینگر اس نہایت قدیمی شہر کے جو فردوس کشمیر کا صدر مقام ہے۔ سات دروازے یا کدل (پل) ہیں۔ دریائے جہلم نے شہر کے دو حصے کر دیئے ہیں۔ پہلے حصہ میں محلات شاہی (شیر گڈھی) خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔ جن کی عالیشان عمارتوں میں نہ صرف ہز ہائی نس مہاراجہ صاحب بہادر اور سر راجہ امر سنگھ صاحب کی رہائش ہے بلکہ جملہ دفاتر بھی ہیں۔ یہ محلات دریا کے عین کنارے پر ہیں۔ دریا کا نظارہ یہاں سے نہایت دلفریب نظر آتا ہے۔ دوسرے حصہ میں ریذیڈنسی اور قریباً تمام زیارات اور مقامات متبرکہ وغیرہ ہیں۔ پہلا اور سب سے زیادہ مضبوط کدل امیرا کدل ہے۔ کُل کدل مندرجہ ذیل ہیں:۔ امیرا کدل۔ حبہ کدل۔ فتح کدل۔ زینہ کدل۔ عالی کدل۔ نوکدل صفا کدل۔ ہر ایک کدل کسی نہ کسی گذشتہ بادشاہ کشمیر کے نام سے جس نے اُس کو بنوایا ہے موسوم ہے۔ امیرا کدل۔ اور مہاراج گنج میں لوگوں کا بہت ہجوم رہتا ہے۔ بازار پختہ ہیں سوائے شیر گڈھی اور ریذیڈنسی کے علاقہ کے اور کہیں بگھیاں وغیرہ نہیں چل سکتیں اس لئے بازاروں میں "ہٹو بچو" کی آوازوں سے آرام رہتا ہے۔ شہر کی آبادی ڈیڑھ لاکھ کے قریب ہے۔ جس میں سوا لاکھ یا کم و بیش مسلمانوں کی بستی ہے۔ بازار تو عموماً صاف ہی ہیں۔ مگر بعض گلیوں میں ایسی عفونت و غلاظت رہتی ہے کہ کوئی بھلا آدمی اُدھر سے گذر نہیں سکتا۔ شہر میں مندر۔ مسجدیں۔ زیارتیں اور متبرک مقامات بے حد و حساب ہیں۔ کمیٹیاں بھی بہت ہیں۔ سب سے بڑی میونسپل کمیٹی ہے۔ جس کا دفتر شیر گڈھی کی ڈیوڑھی کے اندر اور امیرا کدل کے متصل ہے۔ مسلمانوں کی (جن کی آبادی کل شہر کی آبادی سے پانچ چھ گُنا زیادہ ہے) صرف ایک ہی انجمن ہے۔ یعنی نصرت الاسلام۔ ہندوؤں کی ایک سناتن دھرم سبھا۔ ایک جیون سدھار سبھا ایک آریہ سماج اور ایک سنگھ سبھا ہے۔ کئی سکول بھی ہیں۔ ایک کالج بنام پرتاپ

کالج ہے۔ مشن سکول اور سٹیٹ سکول تو ہائی تک ہیں۔ مگر مدرسہ نصرت الاسلام ابھی تک مڈل سکول ہی ہے اب امید ہے کہ سرکاری امداد دو سو روپیہ ماہوار کے عطا ہو جانے پر یہ بھی انٹرنس تک ہو جائیگا۔ دو گرل سکول ہیں۔ ایک ہندو دوسرا ایک مسلمانوں کا۔ ایک نارمل سکول ہے۔ جس میں معلم تیار کئے جاتے ہیں معمولی سات پلوں کے علاوہ شہر میں اور بھی بیسیوں چھوٹے کدل ہیں۔ جو دریا پر نہیں بلکہ اُن ندی نالوں پر ہیں جو شہر کے اندرونی حصوں میں سے گذرتے ہیں۔ کل کشمیر میں کوہالہ سے اسلام آباد اور سوپور تک دریائے جہلم پر کل ۱۵ پل ہیں۔ جن میں سے کئی ایک پرانے زمانہ کے ہیں جو نئے ہیں وہ عموماً لوہے کے ہیں۔ اور بہت مضبوط ہیں۔ سری نگر کا نام پہلے سوریہ نگر یعنی شہر آفتاب تھا۔ ۱۸۹ بکرمی میں راجہ پرورسین نے اس کو اپنے نام پر پرورسین نگر آباد کیا۔ جس سے بگڑ کر اب سرینگر رہ گیا ہے*

عدالتیں اور کچہریاں!

ہائی کورٹ (پیرزادہ مولوی محمد حسین خاں صاحب ایم۔ اے) چیفکورٹ (بابو رشی بر صاحب چیف جج) سب جج (مولوی نذیر احمد صاحب بی اے) گورنر (پنڈت من موہن ناتھ صاحب) اسسٹنٹ گورنر (مرزا غلام مصطفےٰ صاحب) تحصیلدار (خواجہ عزیز الدین صاحب)*

منسٹر صاحبان

فارن منسٹر۔ رائے بہادر دیوان امرناتھ صاحب جن کے متعلق سررشتہ تعلیم۔ معاملات خارجہ۔ محکمہ تعمیرات اور محکمہ جنگلات کا کام ہے۔ ہوم منسٹر۔ لالہ ہرنرائن داس صاحب جو محکمہ پولیس وغیرہ کے افسر اعلےٰ ہیں۔ ریوینو منسٹر یعنی مشیر مال رائے بھوانیداس صاحب ہیں*

ریزیڈنسی

یہ علاقہ تمام شہر سے نہایت مصفا اور فراخ اور فرحت انگیز ہے۔ سڑکیں نہایت کھلی ہیں جن کے دورویہ سفیدہ کے خوبصورت درخت ہیں۔ کوٹھی باغ میں صاحب ریزیڈنٹ بہادر کی وسیع کوٹھی ہے۔ ملازمان ریزیڈنسی کے لئے الگ بارکیں بنی ہوئی ہیں۔ بڑا ڈاک خانہ۔ تار گھر۔ انگریزوں کا قبرستان۔ سوداگروں کی

دوکانیں اسی طرف دریا کے کنارہ پر ہیں۔ جب سیلاب آتا ہے تو تمام ریذیڈنسی غرقاب ہوجاتی ہے۔ اور جہاں میدان اور مکانات ہیں۔ کشتیاں چلا کرتی ہیں۔ لوگ عموماً اپنے مکانوں کی دوسری اور تیسری منزلوں پر چڑھ جاتے ہیں۔ اول تو باہر نکلتے ہی نہیں اور اگر کوئی ضروری کام ہو۔ تو کشتیوں پر جاتے ہیں +

خان بہادر خواجہ الہ بخش صاحب

۹۔ ستمبر کی صبح کو میں اپنے مہربان قدیم خان بہادر خواجہ الہ بخش صاحب سابق اٹاچی سردار ایوب خاں صاحب کی ملاقات کے لئے منشی غلام محمد صاحب خادم کے ہمراہ گیا۔ خان صاحب لاہور میں ہمیشہ بیمار دیکھے جاتے اور صحت کے شاکی پائے جاتے تھے۔ مگر یہاں کی آب و ہوا نے اُن کی صحت کو بہت فائدہ پہنچایا۔ اُن کا چہرہ جو ہمیشہ زرد اور بیمار دیکھا جاتا تھا۔ اب سُرخ اور صحت نما تھا۔ اور اُن کو اپنی صحت پر خود بھی ہر طرح اطمینان تھا بلکہ مجھے بھی اطمینان دلایا۔ کہ کشمیر کی خوب سیر کرو۔ تمہاری صحت بھی ٹھیک ہوجائیگی +

مرزا غلام مصطفٰے صاحب اسسٹنٹ گورنر کشمیر

مرزا صاحب کی خاندانی عظمت اور ذاتی وجاہت کشمیر سے پنجاب تک مشہور ہے۔ مرحوم و مغفور مرزا اسعد الدین صاحب رئیس کشمیر جن کے علم و فضل کی قابلیت ہندوستان اور ایران تک اپنا سکہ جمائے ہوئے ہے۔ اسی خاندان کے بزرگ تھے۔ وہ دل میں قومی درد اور پہلو میں ملکی دلسوزی رکھتے تھے۔ اور یہی اوصاف اُن کے برادر عزیز خاندان کے موجودہ سرگروہ مرزا غلام مصطفٰے صاحب میں بھی موجود ہیں۔ مرزا صاحب سے نیاز حاصل کرکے نہایت خوشی حاصل ہوئی۔ رات کو پرتکلف دعوت میں نہ صرف خواجہ صمد جو صاحب خان بہادر خواجہ الہ بخش صاحب۔ منشی غلام محمد صاحب خادم اور چند اور بزرگ تشریف لائے۔ بلکہ مرزا جلال الدین صاحب تحصیلدار ہندواڑہ سے بھی شرف ملاقات حاصل ہوا۔ مرزا جلال الدین صاحب فارسی عربی اور اُردو میں اچھی مہارت رکھتے ہیں۔ اور ضروریات زمانہ کے مطابق انگریزی سے بھی ناآشنا نہیں ہیں۔ کارہائے مفوضہ میں نہایت ہوشیار اور اپنے تمام خاندان کیطرح رعایا اور رئیس کے دلی خیرخواہ ہیں۔ گراموفون کا لطف بھی یہاں حاصل ہوا۔ مرزا صاحب کا نیا مکان جو مع فرش فروش اور

ضروری فرنیچر سے خوب آراستہ ہے۔ دریا کے عین کنارے پر ہے۔ اور یہاں ہی کشتیوں کی بے ترتیب مگر دل خوش کن روانگی کا نظارہ نہایت فرحت افزا معلوم ہوتا ہے ؛

حضرت بل کا جمعہ

سری نگر میں یہ عام رواج ہے کہ جمعہ کے دن اکثر لوگ دوکانیں بند کر کے نماز جمعہ کے بعد سیر و تفریح کو مختلف مقامات بالخصوص حضرت بل کیطرف ضرور نکل جاتے ہیں۔ بلکہ بعض لوگ تو نماز جمعہ بھی حضرت بل ہی میں پڑھتے ہیں۔ حضرت بل کنارۂ ڈل پر ایک وسیع اور خوشنما عمارت ہے۔ جس میں رسول خدا صلعم کا موے مبارک ہے۔ ڈل کے کنارہ پر ایک پختہ گھاٹ ہے۔ اور بھی چند عمارتیں اور مسجد اور ایک چبوترہ صاف پتھر کا بنا ہوا ہے متصل ہی نسیم باغ ہے۔ ۱۲ ستمبر کو معراج شریف کا آخری جمعہ تھا۔ لوگ اس شوق و ذوق اور جوش و خروش سے نماز جمعہ میں شامل ہونے کے لئے دوڑ رہے تھے۔ جس کا عشر عشیر بھی اور ممالک کے مسلمانوں میں نماز عیدین کے لئے نہیں دیکھا جاتا۔ ایک دیندار مسلمان کے لئے یہ نظارہ نہایت مسرت انگیز تھا۔ قلعہ ہری پربت کے پاس ایک وسیع قبرستان ہے۔ جس کی قریباً ہر ایک قبر پر سیاہ پتھر کے تعویذ ہیں۔ اور جن میں سے اکثر قبروں پر فارسی اور عربی کے اشعار اور اسماء وغیرہ لکھے ہوئے تھے۔ غرض جناب خادم صاحب کے ہمراہ بذریعہ کشتی حضرت بل پہنچا۔ بے شمار غیر مسلسل چھوٹی بڑی کشتیوں کا نظارہ نہایت دلفریب تھا۔ ہر ایک مانجی اپنی کشتی کو دوسرے سے آگے نکالنا چاہتا ہے۔ اور اجنبی مسافر اس "ضد" اور "بے شرط کی دوڑ" سے خوب لطف اُٹھاتا ہے۔ خلقت اس کثرت سے آئی۔ کہ اس کا اندازہ کم سے کم بھی چالیس پچاس ہزار سے کم نہ تھا۔ دوکانیں بے شمار تھیں اور جسقدر تھیں سب مسلمانوں کی۔ عورتوں اور مردوں کی تعداد قریباً برابر تھی۔ جوان۔ بوڑھیاں۔ لڑکیاں چھوٹے چھوٹے بچے سب شامل تھے بے شمار کشتیاں ڈل کے کنارے کھڑی تھیں۔ کسی میں چائے قہوہ تیار ہو رہا ہے۔ کسی میں کھانا پک رہا ہے۔ کسی میں چند احباب تاش و شطرنج ہی سے دل بہلا رہے ہیں۔ کہیں فونوگراف کے پردہ میں گوہر جان کس سوز و گداز سے کہہ رہی ہے ع

تڑپ رہا ہے دل بے قرار پہلو میں

کہیں ہارمونیم سے کام لیا جارہا ہے۔ بعض حضرات مذہبی واخلاقی قیود سے آزاد ہوکر "شیشہ کی پری" سے دیوانہ وار دست وگریبان ہورہے ہیں۔ کہیں شاہدان بازاری کا جھرمٹ ہے۔ کہیں صاحبان انگریز اور لیڈیاں اس کشمیری میلہ کا سین دیکھ رہی اور فوٹو لے رہی ہیں۔ غرض کوئی کشتی ایسی نہیں جس پر کوئی نہ کوئی مشغلہ نہ ہورہا ہو۔ حضرت بل کے میدان میں صوفیوں کی مجالس حال وقال بھی گرم ہوتی ہیں۔ کہیں قرآن شریف کا ختم پڑھا جاتا ہے۔ کہیں کوئی مولانا وعظ فرمارہے ہیں۔ عجب لطف انگیز عالم ہوتا ہے جو دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے ؛

خواجہ عبدالغنی صاحب رئیس ووکیل سوپور

جناب خادم صاحب نے حضرت بل میں ہی خواجہ عبدالغنی صاحب وکیل ہائی کورٹ سے نیاز مند کا انٹروڈیوس کرایا۔ خواجہ صاحب حضرت بل کی سیر کے لئے سوپور سے سری نگر تشریف لائے تھے۔ آپ جس اخلاص اور محبت وشفقت سے پیش آئے۔ وہ صرف زبانی نہ تھی۔ بلکہ عملی بھی اُس کا بہت سا ثبوت ملا۔ ایسے دردمند قوم سے ملکر طبیعت نہایت خوش ہوئی۔ دو گھنٹہ کے قیام وسیر کے بعد ہم خواجہ صاحب ہی کی کشتی میں واپس آگئے ؛

خواجہ صمد جو صاحب کا بنگلہ

رستے میں عین ڈل کے کنارہ پر مشہور ہمدرد قوم اور زمانہ شناس خواجہ صمد جو صاحب لگڑو کا بنگلہ دیکھا۔ جو واقعی قابل رشک جگہ پر واقعہ ہے معلوم ہوا کہ خواجہ صاحب یہیں ہیں۔ اس لئے ہم سب بنگلہ میں گئے۔ جہاں مولانا انور شاہ صاحب کشمیری۔ پیرزادہ مولوی محمد حسین خاں صاحب جج ہائی کورٹ اور اُن کے صاحبزادہ بشیر احمد صاحب بیرسٹرایٹ لا۔ اور مولوی سکندر شاہ صاحب قلمدان پوری سے بھی ملاقات کی عزت حاصل ہوئی۔ مولانا انور شاہ صاحب دیوبند کے دینی مدرسہ کے تعلیم یافتہ اور عربی فارسی۔ اُردو میں ماہر وکامل ہیں۔ آپ کے علم وفضل کا تمام کشمیر میں چرچا ہے۔ مگر افسوس ہے۔ کہ بوجہ آپ کی گوشہ نشینی کے قوم آپ کے کمالات سے ابھی تک محروم ہے۔ بنگلہ نہایت عمدہ اور خوبصورت بلکہ فیشن ایبل ہے ؛

جلسہ انجمن نصرت الاسلام

۱۴۔ اور ۱۵ ستمبر کو دس لاکھ کشمیری مسلمانوں کی اس واحد انجمن کا

دوسرا سالانہ جلسہ منعقد ہوا۔ جس میں شامل ہونے کے لئے امسال پنجاب سے بھی چند کشمیری حضرات تشریف لائے تھے۔ یہ جلسہ دو دن تک نہایت دھوم دھام اور شان و شوکت سے ہوتا رہا۔ حاضرین کی تعداد ۱۵-۲۰ ہزار تک بیان کیجاتی ہے۔ اکثر حکام عالی مقام بھی تشریف لائے۔ رائے بہادر دیوان امرناتھ صاحب فارن منسٹر اور پیرزادہ مولوی محمد حسین صاحب ایم۔ اے جج ہائی کورٹ کی تشریف آوری پر جناب خادم صاحب نے چند استقبالیہ اشعار بھی پڑھے۔ جن میں سے بالخصوص یہ رباعی نہایت مقبول ہوئی۔ ؎

مخلوق تو ورشن کے لئے جائے امرناتھ	اور دیکھے زرو مال وہ پھر پائے امرناتھ
اے قوم ہے کیا کہنا ترے بخت رسا کا	خود لائے ہیں تشریف یہاں رائے امرناتھ

مدرسہ کے دروازہ کے باہر دوکانیں اور خلقت اس قدر تھی کہ خاصہ میلا معلوم ہوتا تھا۔ نہ صرف انجمن کا وسیع اور عالیشان صحن اور اُس کی دیواریں ہی آراستہ تھیں۔ بلکہ بازاروں میں بھی پُرجوش مسلمانوں نے محض قومی ہمدردی کی خاطر نہایت عمدہ اور ریشمی اور سوزن کاری کے رنگ برنگ پارچات آویزاں کئے تھے۔ بڑودہ بلڈنگ (جو مہاراجہ صاحب بڑودہ کے عطیہ سے بنائی گئی ہے) عمدہ حالت میں ہے۔ ڈیوڑھی کے اوپر ہی انجمن کا دفتر ہے۔ اور ساتھ ہی مڈل کی جماعتیں۔ قوم منتظر ہے۔ کہ کب اس انجمن میں پرتاب بلڈنگ اور امر سنگھ بلڈنگ کی بنیاد رکھی جاتی ہے +

بعض کرمفرماؤں سے ملاقات

جلسہ کے ان دو دنوں میں اور اصحاب سے بھی شرف نیاز حاصل ہوا۔ جن میں سے چند خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔ خواجہ قمرالدین صاحب نائب تحصیلدار گریز۔ جو اب مظفرآباد میں تبدیل ہو گئے ہیں۔ خواجہ غلام محی الدین صاحب ہیڈ ماسٹر گلگت۔ ان دونوں نوجوان ہونہار اور ہمدرد قوم بھائیوں کی طرف سے میگزین کو اسوقت تک پچاس کے قریب خریدار مل چکے ہیں۔ اور اب جبکہ ذاتی نیاز حاصل ہو گیا ہے۔ اور بھی توقع رکھنی چاہیئے۔ منشی صادق علی خانصاحب ہیڈ ماسٹر جن کی نظموں نے مخزن کے ذریعہ لٹریری دنیا میں ایک دھوم مچادی ہے۔ مولوی

عتیق اللہ صاحب سکرٹری انجمن نصرت الاسلام - جن کی قومی ہمدردی کے لئے صرف اسی قدر کہدینا کافی ہے - کہ وہ انجمن کے آنریری سکرٹری ہیں اور دل میں ایک درد رکھتے ہیں - جس سے قوم - قوم اور ترقی ترقی کی آواز آتی ہے - خواجہ امیرالدین صاحب آسیر وکیل سے بھی جن کی نظم "ایسا ہو نہیں سکتا" نے جلسہ میں ایک خاص سماں باندھ دیا تھا - اسی جلسہ میں نیاز حاصل ہوا +

سری نگر سے سوپور

۱۷ ستمبر کی شام کو ہمراہ جناب خادم صاحب سوپور جانے کیلئے کشتی پر سوار ہوا - کشتی تمام رات چلتی رہی - سورج نکلنے کے بعد ہم موضع سُنبل میں پہنچے جہاں اکثر کشتیاں موجود رہتی ہیں - رستے میں سنگھاڑوں اور سنگھاڑوں کے ساتھ مچھروں کی وہ کثرت دیکھی - کہ الٰہی توبہ - جب تک منہ سر کپڑے میں نہ لپیٹ لیا جاتا آرام نہ ملتا - سنگھاڑے میلوں تک چلے گئے ہیں - جو ایسے گنجان اور اس افراط سے ہیں - کہ ان پر اکثر آبی جانور نہ صرف چلتے پھرتے بلکہ انڈے وغیرہ بھی دیتے رہتے ہیں - دن کے گیارہ بجے کے قریب ہم سوپور پہنچ گئے - سوپور ایک اچھا قصبہ ہے اس میں قریباً گیارہ ہزار کی آبادی ہے - ایک ہزار ہندو اور دس ہزار مسلمان ہیں - جہلم نے اس قصبہ کو دو حصوں میں منقسم کر دیا ہے - جن میں ایک لمبا پل لکڑی کا حائل ہے - یہاں ہسپتال - ڈاک خانہ - تار گھر - مڈل سکول - تھانہ پولیس اور نیابت تحصیلداری بھی ہے یہاں سے کشتیاں بارہ مولہ اور بانڈی پورہ کیطرف بھی جاتی ہیں - اکثر انگریز اور لیڈیاں بھی یہاں دیکھیں - جو قدرتی مناظر سے حظ اُٹھا رہی تھیں - دریا کے کنارہ پر شاہ ہمدان کی زیارت بھی ہے - اس مقام پر جہاں زیارت ہے - حضرت نے صرف ایک مرتبہ عصر کی نماز پڑھی تھی - سوپور سے لولاب - ہندواڑہ - بارہ مولا اور سری نگر تک سڑک بھی جاتی ہے +

کشمیری دیہات کا نظارہ !

دو تین گھنٹے کے بعد ہم موضع گوری پورہ اور شوہ کی طرف روانہ ہوئے جہاں جناب خادم صاحب کے باغات اور زمینداری تھی - رستہ صاف اور میدانی اور فاصلہ صرف پانچ میل کا تھا جو گھوڑیوں کے ذریعہ ایک گھنٹہ میں طے

کرلیا گیا۔ راستہ میں مکی۔ سیل۔ تل۔ چاول اور انگریزی بینگن کی فصلوں کے سوا اور کوئی فصل نظر نہ آئی۔ دیہاتی زندگی کیا پیاری اور سادی اور فرح بخش زندگی ہے۔ مکانات ایک دوسرے سے بہت فاصلہ پر تھے۔ اور نہ صرف فاصلہ کے لحاظ سے بلکہ طرز تعمیر سے بھی ایک بنگلہ کیطرح تھے۔ چھوٹی عمر کی اکثر لڑکیاں شانوں پر بال بکھیرے اور لڑکے سروں پر چھوٹی سی ٹوپی پہنے مال مویشی چرا رہے تھے۔ ان چھوٹے چھوٹے بچوں کی اگر کسی پنجابی یا ہندوستانی گھر میں تعلیم و تربیت وغیرہ ہو۔ تو حسن سیرت و صورت میں لاجواب نکلیں۔ دیہات میں پھل اور میوے۔ سیب۔ ناسپاتی ٹنگ وغیرہ بکثرت ہیں ؁

لنگیٹ اور ہندواڑہ

۲۱۔ ستمبر کی صبح کو ہمراہ منشی غلام محمد صاحب خادم خواجہ امیر جو صاحب تحصیلدار لنگیٹ کی ملاقات کے لئے روانہ ہوا۔ لنگیٹ سر راجہ امر سنگھ صاحب بہادر کی جاگیر کشمیر کا صدر مقام ہے۔ یہ جاگیر نہایت عمدہ آبی علاقہ میں ہے۔ چاروں طرف ندی نالے اور کوہلیں جاری ہیں اور پانی چل رہا ہے۔ فصلیں جسقدر اس علاقہ کی تھیں نسبتاً بہت اچھی تھیں۔ خواجہ صاحب سے "رواروی" میں نیاز حاصل ہوا۔ کیونکہ جسوقت ہم پہنچے ہیں وہ سرکاری کام کے لئے بارہ مولہ میں وزیر سو بھارام صاحب کے ہمراہ جانے کو بالکل تیار تھے۔ وجمعی سے ملاقات نہ ہو سکنے کا افسوس رہا۔ ہندواڑہ یہاں سے تین میل کے فاصلہ پر تھا۔ وہاں نہ صرف مرزا جلال الدین صاحب تحصیلدار ہی سے نیاز حاصل ہوا۔ بلکہ خان بہادر خواجہ الہ بخش صاحب نے مسٹر ایس شرما سے بھی انٹروڈیوس کرایا۔ جو ریشم خانہ کے متعلق ایک معزز وممتاز عہدہ پر سرافراز ہیں ہندواڑہ میں ایک سکول بھی ہے اور ایک ڈاک خانہ بھی جو تحصیل کے اندر ہی ہے یہاں سوائے تحصیل اور ایک مختصر سے بازار کے اور کچھ نہیں۔ تحصیلدار صاحب جیسی کہ اُن سے توقع تھی۔ نہایت محبت و اخلاص سے پیش آئے۔ اور نیاز مندی کی ہر طرح ہمت افزائی فرمائی ؁

زچلڈارہ علاقہ راجولر!!!

راجگان اوتر مچھی پورہ سے نیاز حاصل کرنے کا چونکہ عرصہ سے

شوق تھا۔ اس لئے اُسی دن چار بجے کے قریب ہندواڑہ سے روانہ ہوکر ۶ بجے شام کو زچل ڈوارہ پہنچ گئے۔ جہاں راجہ غلام محمد خاں صاحب جاگیردار رہتے ہیں۔ علاقہ راجوار عین پہاڑوں کے درمیان ہے۔ یہاں برف بہت جلد گرنا شروع ہو جاتی ہے۔ اور چونکہ دھوپ کا اثر یہاں کم ہوتا ہے اس لئے دیر تک رہتی ہے۔ یہ برف فصلوں کے لئے نہایت مضر ہے۔ یہاں سردی بھی شدت سے محسوس ہوتی تھی۔ آج چونکہ شب برات تھی۔ اور راجہ صاحب کو "بنی صاحب کے چشمہ" پر زیارت کے لئے جانا تھا۔ اس لئے ہم بھی اس موقع کو حسن اتفاق سمجھکر اُن کے ساتھ چلے گئے۔ یہ چشمہ قریباً ایک میل زور تھا۔ اس کی وجہ تسمیہ یہ بیان کی جاتی ہے۔ کہ ایک صاحب باطن فقیر نے یہاں ایک نورانی شکل دیکھی جس کے گرد چار اور بھی متبرک صورتیں تھیں۔ یہاں پیشتر ازیں چشمہ کیا پانی کا نام و نشان بھی نہ تھا۔ مگر ان بزرگوں کے قدوم میمنت لزوم سے یہاں ایک چشمہ زور سے بہ رہا تھا۔ اور یہ سب لوگ وہاں وضو کر رہے تھے۔ فقیر یہاں چشمہ کی موجودگی اور یہ متبرک شکلیں دیکھکر حیران ہو گیا۔ اُس نے اجازت حاصل کر کے اُن کی دعوت کا سامان کیا۔ مگر جب مُڑکر دیکھا۔ تو وہاں سوائے سجدہ یا ہاتھوں اور پاؤں کے نشان کے اور کچھ نہ پایا۔ جس سے معلوم ہوا کہ سب صاحب نماز پڑھکر تشریف لے گئے ہیں۔ فقیر صاحب باطن نے استخارہ کیا۔ اور چند اور اولیائے کرام سے بھی اس واقعہ کا ذکر کیا۔ سب نے بالاتفاق یہی کہا کہ وہ نورانی شکل حضور پیغمبر علیہ الصلوٰۃ کی تھی۔ اور باقی چار بزرگ اُن کے چاروں خلیفہ تھے۔ اُسوقت سے آج تک چشمہ جاری ہے۔ ہر اسلامی تیوہار کو یہاں چراغان ہوتا ہے۔ راجہ صاحب تبرک خود تقسیم کرتے ہیں۔ اور جاگیر کی طرف سے اس زیارت کے لئے کچھ سالانہ وقف بھی ہے۔ راجہ صاحب بالکل نوجوان ہیں۔ اور یہ دیکھکر نہایت مسرت ہوئی کہ باوجود نوجوان اور رئیس ہونے کے دینداری کا اعلیٰ نمونہ ہیں۔ راجہ صاحب نے براہ قومی ہمدردی کشمیری میگزین کے لئے معقول امداد فرمائی۔ جس کا بدل شکریہ ادا کیا جاتا ہے ✦

راجپور علاقہ راجوار ۲۲۔ ستمبر کی صبح کو ہم یہاں سے روانہ ہوکر راجپور میں پہنچے جو تین میل

کے فاصلہ پر تھا - راجہ اکبر علی خاں صاحب جاگیردار سے تو بوجہ اُن کی علالت کے نیاز حاصل نہ ہو سکا - البتہ اُن کے صاحبزادگان راجہ شبیر علی خاں صاحب اور راجہ زبردست خاں صاحب نہایت خاطر مدارات سے پیش آئے - راجہ شبیر علی خاں صاحب ابھی بالکل نوجوان ہیں اُن کا دل قومی درد سے بھرا ہوا ہے - کبھی کبھی شعر بھی کہتے ہیں - اور اچھے کہتے ہیں - مسلمانان کشمیر کی تعلیمی حالت پر جو ادبار چھایا ہوا ہے - اُس کو آپ اچھی طرح محسوس کرتے ہیں - آپ کی قومی ہمدردی کا اندازہ اس سے بڑھکر اور کیا ہو سکتا ہے - کہ ایک ہی خاندان بلکہ ایک ہی گھر میں چار سیگزین آتے ہیں - جن میں آپ کا ایک صاحبزادہ راجہ فتح محمد خاں بھی ہے جو نہایت ہونہار نظر آتا ہے - اس قومی ہمدردی کے علاوہ راجہ صاحب نے جو پرائیویٹ امداد دی وہ اپنے رنگ میں بالکل فرد تھی - یہاں سردی زچل ڈارہ سے بھی زیادہ ہے - کیونکہ یہ مقام چاروں طرف برفانی پہاڑوں سے گھرا ہوا ہے - راجوار کا علاقہ نہایت سرسبز اور شاداب ہے - پھل سیب - ناشپاتی - ننگ - اخروٹ یہاں کثرت سے ہیں - بعض میوے اور سیب یہاں ایسے دیکھے گئے - جو ابھی تک پنجاب میں نہیں پہنچے - یہ علاقہ قدرتی دلچسپیوں سے بھرا ہوا ہے جس طرف نظر اٹھاؤ - سبزہ ہی سبزہ نظر آتا ہے - برفانی پہاڑوں پر آفتاب کی سب سے پہلی مدھم شعاعوں سے کیسا دلچسپ سنہری نظارہ دکھائی دیتا ہے - شاعر اور مصور ایسے منظروں سے نہایت عمدہ نتائج حاصل کر سکتے - اور ایک دلاویز فوٹو کھینچ سکتے ہیں - اس اُجاڑ جنگل اور پہاڑ میں اس تعلیم یافتہ و مہذب خاندان سے ملاقات کر کے اور اس کا اخلاص اور اخلاق دیکھکر طبیعت نہایت مسرور ہوئی - آخر ۲۳ - ستمبر کی صبح کو ہماری روانگی نے حسرت و افسوس کے ساتھ اس دل خوش کن ملاقات کا خاتمہ کر دیا ۔

طوفان آب

۲۶ - ستمبر کو جناب خادم صاحب کے ہمراہ سوپور سے بذریعہ کشتی بارہ مولہ پہنچا جہاں ۲۷ - ستمبر کو ڈریجر کشتیوں کے افتتاح کا جلسہ ہونے والا تھا - جس میں تمام ارکین دربار - مہاراجہ صاحب بہادر - سر راجہ امر سنگھ صاحب ریذیڈنٹ بہادر مع دیگر صاحبان

انگریز اور لیڈیوں کے شامل تھے۔ کشتی جب بارہ مولہ کے نزدیک پہنچی۔ تو ہوا اس زور سے چلنے لگی۔ کہ تھوڑی سی ہی دیر میں نہ صرف تند و تیز ہو گئی۔ بلکہ کشتی کو بھی ڈانواں ڈول کر دیا۔ پانی جو بالکل خاموش اور ہموار تھا۔ اچھل اچھل کر آسمان کی خبر لانے لگا۔ دریا کی ہموار لہروں کے ساتھ ہی کشتی بھی ڈگمگانے لگی۔ ہچکولوں سے کبھی بلند ہوتی تھی کبھی پست۔ کچھ پانی کے زور اور کچھ ہوا کی تیزی سے کشتی قریباً بے قابو ہو کر منجدھار میں چلی گئی۔ یکایک ہانجیوں کے بال بچوں نے (جو چار یا پانچ تھے) رونا اور چلانا شروع کر دیا۔ ہانجی بھی گو ہراساں اور چشم نم تھے۔ مگر کشتی کو ہلکے پانی میں لانے کی برابر کوشش کر رہے تھے۔ یہ خطرناک حالت دیکھکر ہماری بھی عقل چکرا گئی۔ اور موٹے کپڑے اتار کر دریا میں کود پڑنے اور "ہرچہ بادا باد" کا مصداق بننے کو تھے۔ کہ ہانجیوں کی محنت و جانکاہی سے کشتی کسیقدر ہلکے پانی میں آگئی۔ اگر ایک دو اور ہچکولے آجاتے۔ تو بیڑا پار تھا۔ بچوں کی حالت نہایت دردناک تھی۔ کیونکہ وہ بچارے دو سال سے سات آٹھ سال کی عمر تک کے تھے۔ جن کا اس "طوفان موج افزا" اور دریائے بے پایان" سے زندہ نکل آنا بظاہر ناممکن تھا۔ یہاں خواجہ عبد الغنی صاحب (جو ہم سے تین چار گھنٹے پہلے ہی آگئے تھے) اور خواجہ عبد الصمد صاحب گلے ملے۔

بارہ مولہ بیان کیا جاتا ہے۔ کہ یہاں بالکل جنگل اور پہاڑ تھے۔ شغال۔ ریچھ۔ اور خنزیر کی یہاں اسقدر کثرت تھی کہ دن کو بھی چلنا محال تھا۔ چونکہ دُور دراز کے پہاڑی سلسلوں کے بعد یہ ایک کف دست میدان تھا۔ اور نیز آمد و رفت اور کشمیر کا دروازہ ہونے کے آبادی کی یہاں ضرورت تھی۔ اس لئے ابتدا میں جو لوگ سب سے پہلے یہاں آئے۔ وہ چونکہ بارہ ملاّ تھے۔ اس لئے یہ مقام بھی انہیں کے نام پر بارہ مولہ مشہور ہو گیا۔ اس کی آبادی پانچ چھ ہزار کے قریب ہے۔ مسلمان زیادہ ہیں۔ بارہ مولہ ایک چھوٹی سی پہاڑی کے عین دامن میں ہے۔ یہاں سردی شدت سے ہے۔ پہاڑیوں سے نہ صرف بارہ مولہ بلکہ دُور دُور تک کا نظارہ نہایت دل افزا معلوم ہوتا ہے۔ سور اور گیدڑ کی اب بھی یہاں کثرت ہے۔ شام ہی سے گیدڑوں کی آواز شروع

ہو جاتی ہے۔ یہاں کی تحصیل بہت عمدہ اور فیشن ایبل ہے۔ دو مڈل سکول ہیں۔ ایک سٹیٹ سکول اور کیتھولک مشن سکول ایک پادری صاحب کی طرف سے ہے ان کے علاوہ شفاخانہ اور تھانہ بھی ہے۔ کشتیاں۔ شکاریاں۔ ڈونگے۔ اور ہوس بوٹ بھی لب دریا بکثرت کھڑے رہتے ہیں۔ میوہ اور جنس کی یہاں بہت بڑی منڈی ہے۔ جو مال پنجاب سے یہاں آتا ہے یا کشمیر سے پنجاب جاتا ہے۔ اُس کی درآمد برآمد اور آڑھت کا صدر مقام بارہ مولا ہی ہے۔ یہاں کے قابل دید مکانات میں جامع مسجد اور دیوان خانہ خواجہ صمد جو گکڑو قابل ذکر ہے۔ یہ مسجد زلزلے سے منہدم ہو گئی تھی۔ مگر خواجہ علی جو نے نہایت فیاضی سے اس کی مرمت شروع کی۔ دوران تعمیر ہی میں اُن کا انتقال ہو گیا۔ اُنکے بعد بقول مشہور ع اگر پدر نتواند پسر تمام کند۔ اُن کے لائق جانشین خواجہ صمد جو صاحب نے تعمیر کو ۱۳۱۳ھ میں اتمام تک پہنچایا۔ مسجد کے ستون رنگ دار ہیں اور نہایت خوبصورت معلوم ہوتے ہیں۔ دیوان خانہ بھی قابل دید ہے۔ جس کے در و دیوار تصاویر اور قطعات خوش قلم سے آراستہ ہیں۔ بارہ مولہ کو بھی پل نے دو حصوں پر تقسیم کر دیا ہے۔ ایک حصہ میں شہر آباد ہے۔ اور دوسرے میں سرکاری مکانات۔ منڈی۔ سرائے۔ اڈا۔ ڈاک بنگلہ۔ مہاراجا زریسٹ ہوس وغیرہ ہیں۔ جب سے جہلم ویلی روڈ کا دفتر یہاں کھلا ہے بارہ مولہ میں بہت رونق ہو گئی ہے ؛

سوپور

۲۸۔ ستمبر کو ہمراہ جناب خواجہ عبد الغنی صاحب ہم واپس سوپور آئے۔ جو ایک بہت پرانا قصبہ ہے۔ اس کی وجہ تسمیہ میں یہ قصہ بیان کیا جاتا ہے کہ پُرانے وقتوں میں یہاں ہمیشہ سیلاب اور قحط رہتا تھا۔ یہانتک کہ والدین کلیجہ پر پتھر رکھکر اپنی اولاد کو حوالہ بخدا کر دیتے تھے۔ ایک عورت نے قحط کے مصائب سے تنگ ہو کر اپنے جگر کے شیر خوار ٹکڑے کو ٹوکری میں ڈال کر زمین پر چھوڑ دیا۔ ایک ہندو عورت کا ادھر سے گذر ہوا۔ وہ اس دُودھ پیتے بچہ کو اٹھا کر سری نگر میں لے آئی۔ ستو نام رکھا اور پرورش و تعلیم و تربیت میں ایک شفیق ماں کی طرح حصہ لینے لگی۔ اُسوقت کے راجہ کو سیلاب اور قحط کے دور کرنے کا سخت فکر تھا۔ یہ خبر ستو کو بھی پہنچی۔ اُس نے کہا کہ اگر راجہ اپنے

خزانہ کو میرے ہاتھ میں دیدے۔ تو یہ تکالیف آسانی سے دور ہو سکتی ہیں۔ راجہ نے منظور کیا۔ سو نے خزانہ لیکر بارہ مولہ کا رُخ کیا۔ اور وہاں روپیہ پھینکنا شروع کر دیا۔ جہاں ندیا نہایت تنگ و گنجان رستہ سے گذرتا تھا۔ اور پانی کافی مقدار میں آگے نہ جاتا تھا۔ سیم و زر کی لوٹ سنکر دُور دراز سے لوگ دوڑے آئے۔ سو نے حکم دیا۔ کہ روپیہ بے شک نکال لو۔ مگر ساتھ ہی ایک ایک پتھر بھی دریا میں سے باہر پھینکتے جاؤ۔ غرض اس ترکیب سے رستہ بہت چوڑا ہو گیا۔ اور جہاں اب سوپور آباد ہے۔ اس تمام سرزمین کو پانی اور سیلاب کی مصیبت سے نجات مل گئی۔ راجہ کشمیر چونکہ لاولد تھا اُس نے یہ فہم و فراست دیکھکر سو کو اپنا متبنےٰ بنا لیا۔ بعد میں سو نے اپنے نام پر سوپور آباد کیا۔ یہ قصبہ نہایت فرحت افزا مقام ہے۔ چاروں طرف میدان ہی میدان ہے۔ یہاں کی آب و ہوا معتدل ہے۔ اکثر انگریز بھی یہاں آتے رہتے ہیں۔ سوپور کسی زمانہ میں نہ صرف دارالعدالت بلکہ دارالحکومت بھی رہا ہے۔ اور حالانکہ اس سے کم آبادی کے قصبات میں تحصیلیں قایم ہیں۔ مگر یہ پُرانا اور مشہور قصبہ تحصیل سے بھی محروم ہے +

باﻧﮉی پورہ یہ مقام سوپور سے براہ خشکی ۱۹ میل اور براہ کشتی ۱۵ میل کے فاصلہ پر ہے۔ چونکہ یہ بھی ایک عمدہ نظارہ کی جگہ ہے۔ جو پہاڑوں کے عین نیچے اور ڈل کے سرے پر ہے۔ اس لئے ۳۰۔ ستمبر کو خواجہ صاحب کے ہمراہ بذریعہ کشتی روانہ ہوا۔ جب تک دریا میں کشتی رہی تو خشکی بھی نظر آتی رہی۔ ڈل میں پہنچتے ہی سوائے پہاڑوں اور درختوں کے جو چھ سات میل سے ہی نظر آ رہے تھے۔ زمین کا کہیں نام و نشان بھی نہ تھا۔ جدھر نظر اٹھتی تھی سوائے عالم آب کے کچھ دکھائی نہ دیتا تھا۔ غرض ایک دریائے ناپیدا کنار اور بحر ذخار تھا۔ جس میں ہماری کشتی جا رہی تھی۔ خدانخواستہ اگر ڈل میں آندھی یا طوفان باد آ جائے تو بچنے کی کوئی امید نہیں۔ ساحل میلوں تک نظر نہیں آتا۔ اور بعض مقامات پر پانی کے عمق کا کوئی ٹھکانا ہی نہیں۔ اکثر انگریز شوقین وطن سے ہزارہا میل کے فاصلہ پر سیکڑوں اور ہزاروں روپئے خرچ کر کے کشمیر کے نظارہ سے آنکھوں کو تراوت دے رہے تھے۔ رستے میں کئی ایک شکاریان (ہلکی کشتیاں) ملیں۔ جن پر انگریز مچھلی کا شکار کر رہے

تھے۔ ایک میم کو دیکھا۔ کہ وہ سامنے کی پہاڑی کے ایک سبزہ زار کی دستی رنگین تصویر کھینچ رہی تھی۔ بانڈی پورہ میں تین چار ہوس بوٹ کھڑے تھے۔ معلوم ہوا۔ کہ چند انگریزوں کے ہیں جو زینہ گیر کے علاقہ میں شکار میں مصروف ہیں۔ ایک انگریز لڑکا جس کی عمر بمشکل ۲۲ سال ہوگی بندوق اٹھائے۔ معمولی لباس پہنے۔ پاؤں میں دیسی جوتی۔ خراماں خراماں پہاڑ کیطرف منہ اٹھائے چلا جا رہا تھا۔ اُس کیساتھ قریباً پندرہ قُلی تھے۔ جو اُس کا اسباب خیمہ۔ صندوق۔ کپڑوں کے بکس۔ بندوق سامان خوراک اور بستر وغیرہ اٹھائے ہوئے تھے۔ انگریزوں کی یہ جفاکشی اور تفریحی دلچسپیاں دیکھکر بے اختیار احسنت و مرحبا کہنا پڑتا ہے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ یہ سب دولت اور بے فکری کے چونچلے ہیں۔ ان آفت کے پرکالوں سے دنیا کا ایسا کوئی حصہ نہیں جو خالی رہا ہو۔ یہ لوگ ایسے ایسے غیر آباد۔ ویران جاہل و وحشی ملکوں میں پہنچتے ہیں۔ جہاں ہم وطن تو کجا ہم زبان بھی کوئی نہیں ملتا۔ اسی سفر میں یہ بھی معلوم ہوا کہ مکرمی خواجہ صاحب کو شعر و سخن کا نہ صرف شوق ہی ہے۔ بلکہ شعر کہتے بھی ہیں اور شایقؔ تخلص کرتے ہیں۔ شاعری کے علاوہ آپ تاریخی معلومات کا خزانہ ہیں۔ بغیر کسی کتاب کی مدد کے محض قوت حافظہ کی بدولت دماغ شایقؔ شائقین کے لئے ایک نایاب ذخیرہ بہم پہنچا سکتا ہے۔ میرے اصرار سے چند غزلیں آپ نے سنائیں۔ جن میں سے اکثر صنائع و بدائع میں ایسی مملو تھیں۔ کہ غزلوں کی غزلیں تھیں۔ اور درختوں کے درخت اور درخت بھی چنار کے۔ جن پر کشمیر کو خاص طور پر فخر ہے۔ آپ فارسی اور کشمیری کے علاوہ اُردو میں بھی نظم کہتے ہیں۔ یہاں فارسی کے چند شعر درج کئے جاتے ہیں ؎

شدم بدنام عام از حضرتِ دل	شد آرامم حرام۔ از حضرتِ دل
نکردم دُور بینی از حماقت	شدم پابند دام از حضرتِ دل
گرفتارِ اُلوفِ رنج و اندوہ ،	شب و روزم مدام از حضرتِ دل
بہ عیش و عشرت و تفریح و آرام	اگر کردم سلام از حضرتِ دل
اُمورِ روزگارم یک قلم شد	چنیں بے انتظام از حضرتِ دل

	پس و پیش سہام از حضرتِ دل الم کرد از دحسام از حضرتِ دل		زطعنِ حاسدانم از چپ و راست قرارم شد فرار آرام گمنام

	جراحت ہائے شائق را زمانہ نہ سازد التیام از حضرت دل	

آہ ۱ را ستم شوق تو شائق بجو ہست بلاریب من المضطرین

غم ۲ تعبد تو این ہمہ لقا چہ تیرہ و تاریک نماید زمین

ہجراں ۳ دل آشفتہ را چہ رنج والم ہست بیار دیدیں

تشویش ۴ مشوش شدہ ہیچ تکالیف والم برنگین

آہ ۵ نور عین چہ حضرت دل جبیں حصن حصین

تفریق ۶ چوں شب تارم شدہ روز مبین

نفرت ۷ وافسردہ شدم بالیقین

ہجراں ۸ رستہ زاں زاین

غم ۹ تنہا نشین

نوٹ۔ اس کے پڑھنے کی ترکیب یہ ہے کہ درمیانی شعر کے ہر پہلے لفظ کے ساتھ دائیں اور بائیں جو شعر اور الفاظ درج ہیں اُن کو پڑھتے جائیں۔ مثلاً دائیں طرف آہ کے ساتھ الم غم کے ساتھ تفریق ہجراں کے ساتھ تشاویش اسی طرح بائیں طرف پڑھیں ٭

یہاں تھانہ۔ نیابت تحصیل۔ ایک بازار اور ایک پرائمری سکول بھی ہے۔ جابجا قدرتی چشمے ہیں۔ پانی کی افراط ہے جس سے بانڈی پورہ ایک دلفریب منظر ہو گیا ہے۔ گلگت کی سڑک اس کے پاس سے گذرتی ہے۔ یہاں اکثر معززین سے ملاقات ہوئی۔ خصوصاً بابو امام الدین صاحب ڈپٹی رینجر لولاب شیخ محمد حسین صاحب ٹھیکہ دار بانڈی پورہ۔ خواجہ غفار جو صاحب ملک التجار بارہ مولہ۔ رحمان ڈار صاحب ٹھیکہ دار سوپور۔ اسد میر صاحب ذیلدار بانڈی پورہ نہایت خلوص اور محبت سے پیش آئے۔ شیخ محمد حسین صاحب نے پُرتکلف دعوت کے علاوہ ہارمونیم کے سُریلے سُروں سے غذائے روح بھی بہم پہنچائی۔ منشی غلام محمد صاحب خادم جو شروع سے اخیر تک میرے ساتھ رہے۔ براہ خشکی گوری پورہ چلے گئے۔ ہماری کشتی یکم اکتوبر کو ایک بجے بانڈی پورہ سے واپس روانہ ہوئی جو شام تک سوپور پہنچ گئی۔

پریشانیوں کے دن ستمبر کا مہینہ جس بے فکری تفریح اور سیر و سیاحت کی دلچسپیوں میں بسر کیا تھا۔ یکم اکتوبر کی شام ہی کو اُن سب سے محروم ہو جانا پڑا۔ جس کی ابتدا ہمدرد قوم احسان مجسم خواجہ صاحب کی علالت طبع سے شروع ہوتی ہے۔ بانڈی پورہ سے واپس آتے ہی خواجہ صاحب دفعتاً آشوب چشم میں مبتلا ہو گئے۔ اور ایک ہفتہ تک بیمار رہے۔ درد چشم سے ہر چند اُن کو خود تکلیف۔ اضطراب اور بے چینی تھی۔ مگر میرے آرام و آسائش میں کسی طرح کا فرق نہیں آنے دیا۔ خواجہ صاحب کی علالت کے باعث لولاب کا علاقہ جو نہایت سرسبز و زرخیز اور میوہ دار پہاڑ ہے نہ دیکھا جا سکا۔ جس کے دیکھنے کی کمال آرزو تھی۔ ایک ہفتہ عالم تنہائی و پریشانی میں بسر کرنے کے بعد ۷ اکتوبر کو براہ کشتی سری نگر روانہ ہو گیا۔ جہاں دوسرے دن گیارہ بجے جا پہنچا۔ رستے میں پانی کی کمی کی وجہ سے نہ صرف کشتی ہی دیر سے پہنچی۔ بلکہ ہوائے تند اور بارش سے بھی کسی قدر تکلیف اٹھانی پڑی۔ سری نگر میں چند دن اطمینان اور لطف و مسرت سے بسر ہوئے کیونکہ میرے پہنچنے سے پہلے ہی مشفق مکرم ڈاکٹر عبدالواحد صاحب کرگل سے پنجاب جانے کے لئے یہاں ٹھیرے ہوئے تھے۔ ۸ اکتوبر سے ۲ نومبر تک سری نگر میں

قیام رہا۔ اس عرصہ میں سوائے سفرنامہ کو ترتیب دینے یا چند ایک زیارات سے مشرف ہونے اور دو ایک مقامات دیکھنے کے اور کوئی کام نہ ہو سکا۔ بس مَیں تھا اور تنہائی اور تنہائی میں وہ تفکرات سوہان روح کا کام دیتے تھے۔ جن کی مہیب شکل دیکھکر دل کانپ اٹھتا تھا۔ اور تفکرات و توہم کو مخاطب کرکے کہتا تھا "خدا کے لئے اب تو ہمارا پیچھا چھوڑو۔ تم اس کنج تنہائی میں بھی آرام سے نہیں بیٹھنے دیتے" ؂

ہم کو آنکھیں نہ دکھایا کریں صحرا کے ہرن ہم اسی درد کے مارے ہیں وطن سے نکلے

حکیم سید حسین صاحب تحصیلدار بارہ مولہ

آخر ۲۔ نومبر کو علے الصباح بعزم پنجاب براہ سوپور سری نگر سے معہ جناب خادم صاحب روانہ ہوگیا۔ جناب خادم صاحب تو اُسی دن پنجاب کو روانہ ہو گئے۔ اور مَیں کہ خواجہ عبدالغنی صاحب کے دام عنایت و شفقت کا اسیر تھا۔ خود بخود قابو میں آگیا۔ ؂

کیوں وہ صیاد کسی صید پہ توسن ڈالے خود بخود صید چلے آتے ہیں گردن ڈالے

یہاں سے دوسرے دن خواجہ صاحب کے ہمراہ پھر بارہ مولہ پہنچا۔ جہاں حکیم سید حسین صاحب رضوی تحصیلدار بارہ مولہ سے نیاز حاصل ہوا۔ عجیب اتفاق ہے کہ جس ہمدرد و محسن قوم کی ملاقات کا سب سے زیادہ اور سب سے پہلے اشتیاق تھا۔ اُس کی خدمت میں اختتام سفر پر حاضر ہونا پڑا۔ سید صاحب دو دن تک جس اخلاق و مروت اور ہمدردی سے پیش آتے رہے۔ نیازمند فوق اُس کا بدل شکرگذار ہے۔ آپ کی قومی و اسلامی ہمدردی اور زمانہ شناسی کا یہ ادنیٰ ثبوت ہے کہ آپ نہ صرف کشمیری مردوں بلکہ عورتوں کی تعلیم کے بھی حامی و معاون ہیں۔ آپ کا صاحب زادہ سید محمود گو عمر میں چھوٹا یعنی ابھی صرف دس سال کا ہے۔ مگر بلحاظ لیاقت و ہونہاری ہرچہ بقامت کہتر بقیمت بہتر کا مصداق ہے۔ محمود ابھی چوتھی جماعت میں ہے۔ مگر انگریزی فارسی اور اردو غلط ہو یا درست بے تکلف بولتا ہے۔ اگر اس کی تعلیم و تربیت پر کافی غور و پرداخت ہوتی رہی۔ تو چشم بددور کشمیر اور کشمیریوں کا نام روشن کریگا۔ سید صاحب کو افسوس ہے۔ کہ تاریخ ہائے کشمیر جو فارسی میں ہیں وہ کمیاب ہیں اور جن کے پاس ہیں وہ اسرار سینہ بسینہ کی طرح ان کو جدا نہیں کرتے۔ جو

انگریزی میں ہیں وہ زیادہ تر انگریز سیاحوں کے فائدہ کے لئے ہیں اور بہت مختصر ہیں۔ اب کشمیر کی ایک ایسی تاریخ کی ضرورت ہے۔ جو ہندوستان کی مسلمہ واحد اردو زبان میں ہو۔ جسکو قریباً گیارہ کروڑ ہندوستانی لکھ پڑھ سکتے ہیں۔ مگر اس کے ساتھ ہی آپ کو اپنی ملکی (کشمیری) زبان سے بھی بے حد انس ہے۔ اور آپ چاہتے ہیں کہ کسی لائق۔ فارغ اور عالم وفاضل شخص کی امداد سے اس کورٹن لنگویج (تحریری زبان) بنانے کے قابل کردیا جائے۔ یہ خاص بات بھی قابل ذکر ہے۔ کہ مرزا جلال الدین صاحب تحصیلدار ہندواڑہ اور حکیم سید حسین صاحب تحصیلدار بارہ مولہ کے متعلق ایک مرتبہ کشمیری میگزین میں قرآن السعدین کا لفظ چھپا تھا اور نامہ نگار نے بدلائل معقول دونوں صاحبوں کو اس لفظ کا مستحق قرار دیا تھا۔ بارہ مولہ میں حسن اتفاق سے مجھے بھی اس قرآن السعدین کے دیکھنے کا موقعہ ملا۔ بقول نامہ نگار دونوں صاحب لیاقت وعلمیت سخن فہمی اور قومی وملکی ہمدردی اور کارہائے مفوضہ کی انجام دہی میں واقعی ایک دوسرے کی نظیر تھے۔ مگر قرآن السعدین جن اصلی معنوں میں مجھے نظر آیا۔ اور جس سے دونوں صاحبوں کی یکرنگی ویکدلی کا ثبوت ملا۔ وہ ان کا قدوقامت تھا۔ جو دست قدرت نے ایک ہی پیمانہ پر بنایا تھا +

پنجاب کو واپسی

ان چند دنوں میں کشمیر میں بہت کچھ دیکھا۔ کہیں آبشاریں جاری ہیں کہیں پر فضا باغات دیکھے۔ کہیں دریا کو خاموش اور کہیں شور وشر سے آسمان سر اٹھائے دیکھا گلزار پر بہار سے کہیں آنکھوں کو تراوت ہوئی۔ کہیں یادگارہائے سلف سے دل کو عبرت۔ صبح کو پہاڑوں کی طرف نظر اٹھائی۔ تو برفوں کے انبار دکھائی دیئے جن پر سورج کی کرنوں کا پرتو دیکھکر بے ساختہ یاد آگیا ؎

وہ شعاع مہر اور برفی پہاڑ		سیم پر کار طلائی دیکھئے	

شام کو بھی دیکھا تو یہی رنگ نظر آیا۔ کشمیریوں کی سادہ زندگی میں ایک عجیب عالم دیکھا کشتیوں کی سیر کا بھی لطف اٹھایا۔ بلند پہاڑوں اور مقامات سے دریا۔ شہر اور برف کے سین کو دیکھا۔ اور یہ سب کچھ دیکھ لینے کے بعد حقیقت یہ ہے کہ کچھ بھی نہ دیکھا۔ بقول عارف ؎

بہت ہے دیکھنا عارف ابھی تونے ہی کیا دیکھا		بن مصداق تو ٹھگے آمدی کے پیر گشتی کا

کشمیر کی سرزمین میں خدا نے ایک عجیب خاصیت رکھی ہے۔ کہ اس کی آب و ہوا میں دل پژمردہ خود بخود کھل جاتا ہے۔ اور اگر دل میں درد ہو اور طبع میں موزونیت تو کچھ نہ کچھ توں ٹاں بھی کر لیتا ہے۔ چنانچہ اس دل دردمند سے بھی جس کو شاعری عرصہ سے ناقابل سمجھکر جواب دے چکی ہے۔ وقتاً فوقتاً چند اشعار موزون ہوتے رہے۔ غرض ۱۱۔ نومبر کو کشمیر اور گلگت کشمیر سے میں بہ حسرت و افسوس پنجاب واپس آنے کے لیے رخصت ہوا۔ ؎

	میں چلا کشمیر سے پُر آہ کس حسرت کیساتھ		سینہ بریاں چشم گریاں آہ سوزاں دل اُداس	

شہر کے قابل دید مقامات

سری نگر میں "زیارتوں" اور "آستانوں" کا کوئی حساب نہیں۔ قریباً ہر محلہ میں ایک نہ ایک زیارت یا آستان ضرور ہے۔ مگر جو مشہور ہیں یا جن کو میں دیکھ چکا ہوں صرف انہیں کا تذکرہ (بطور خلاصہ) لکھا جاتا ہے ٭

آستان ریشی صاحب ڈیوڑھی کے پاس ہی ایک مولوی صاحب پندرہ بیس لڑکوں کو قرآن شریف پڑھایا کرتے ہیں۔ بعض ان میں سے فارسی بھی پڑھتے ہیں۔ اور اب کچھ دنوں سے اُردو کا رواج بھی ہو گیا ہے۔ آستان لکڑی کی ایک خوشنما چار دیواری میں ہے۔ اس کے اندر ایک اَور محراب نما جالی دار لکڑی ہے۔ جس میں ریشی صاحب

ؒ میں حافظ میر علی شاہ نواسہ مولانا میر واعظ مولوی رسول شاہ صاحب کا شکریہ ادا کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔ جنھوں نے ان زیارتوں کے دکھانے میں ایک دن کامل میری رہبری کی میر علی شاہ نہایت دیندار اور سعادت مند لڑکا ہے۔ اُس کی عمر ابھی بارہ سال سے بھی کم ہے۔ وہ قرآن شریف کا حافظ ہے۔ اُس نے انجمن نصرت الاسلام کے سالانہ جلسہ میں ایک اُردو نظم بھی نہایت خوش الحانی سے پڑھی تھی ٭ ۱۲

کی قبر ہے۔ یہ آستان محلہ جبہ کدل میں واقع ہے۔

سید بہاؤالدین نقشبند	یہ زیارت اور خانقاہ (مسجد) ایک وسیع احاطہ میں گھری ہوئی ہے

زیارت کی بیرونی دیوار پر یہ شعر لکھا ہوا ہے۔

یا شاہ نقشبند بہ بیں حال زار ما		رحمے بکن بحالت پُر ضبطۂ ارما	

اس پر لکڑی کا کام نہایت عمدہ ہے۔ زیارت کے باہر اور بھی بہت سی قبریں ہیں۔ سامنے مسجد بھی ہے۔ جس کی تعمیر دوبارہ ۱۰۱۷ھ میں بعہد جہانگیر اور ۱۳۰۲ھ ہجری میں بہ حسن توجہ نواب احسن اللہ خاں نواب ڈھاکہ ہو چکی ہے۔ مسجد کے باہر اس کے ارد گرد لکڑی کا پوش تحتیت ہے۔ اندر اس کا باہر سے بھی نہایت خوبصورت ہے۔ بڑے بڑے چار ستون ہیں۔ محراب پر پتیل کا ایک خوش وضع کلس ہے۔ جس میں نہایت خوبصورتی سے "اللہ۔ محمد" کا نام لکھا ہے۔ اس کلس کے نیچے محراب کے حلقہ میں لکڑی کے سفید حروف میں کلمہ شریف اور دیگر آئتیں معہ ۱۳۰۲ھ ہجری لکھی ہوئی ہیں۔ لکڑی کا کام نہایت باریک اور اعلے ترین کاریگری کا نمونہ ہے۔ چھت کے نیچے مسجد کے چاروں طرف ایک منزل "ڈھارہ" کی طرز پر ہے۔ جس پر ہزاروں آدمی بیٹھ سکتے ہیں۔ دروازے دو ہیں۔ مگر جو اصلی اور اندر آنے کا ہے وہ نہایت خوبصورت ہے۔

روضہ بل	محلہ خان یار میں ایک چھوٹا سا آستان ہے۔ جس کی نسبت مرزا غلام احمد صاحب

قادیانی مدعئے مہدویت و مسیحیت کی جماعت میں مشہور ہے کہ یہ حضرت عیسٰے کی قبر ہے حقیقت میں یہ دو قبریں ہیں۔ ایک کو فرزند امام موسٰی رضا کی قبر کہتے ہیں۔ اور دوسری کو ژوزا آسف پیغمبر کی۔ یہاں بہت سے آدمی بلوا کر دریافت کیا گیا۔ کہ ان دونوں میں سے حضرت عیسٰے کی قبر کونسی ہے۔ مگر کسی نے بھی سوائے فرزند امام موسٰی رضا یا ژوزا آسف پیغمبر کے حضرت عیسٰے علیہ السلام کا نام نہیں لیا۔ ہاں یہ ضرور معلوم ہوا۔ کہ اور آستانوں کی طرح اس آستان پر بھی جو بالکل معمولی حالت میں ہے۔ اکثر انگریز دوران سیاحت میں آتے رہتے ہیں۔ تاریخ کبیر کشمیر کا باب المشائخ بھی دیکھا۔ جس میں "یوسف" کے نام کے بہت سے مشائخ و ابرار کا حال درج ہے۔ مگر ژوزا آسف "یا" فرزند امام موسٰے رضا

کا نام کہیں نظر سے نہیں گذرا۔ معلوم ہوتا ہے کہ بعض لوگ "رزشو" کے نام سے اسکو یسوع مسیح کی قبر تصور کرتے ہیں۔ خاص سری نگر میں بعض پرانی قبروں پر عبرانی حروف میں کچھ لکھا ہوا ہے۔ نیز اسلام آباد کے متصل ایک موضع "یاسمس" میں زمین کھودتے ہوئے چند ایسے پتھر بھی ایک مرتبہ نکلے تھے۔ جن پر عبرانی زبان کی کچھ عبارت تھی۔ ان قیاسات سے معلوم ہوتا ہے کہ شاید کسی نامعلوم زمانہ میں عبرانی لوگ بھی یہاں آئے ہوں "یاسمن" کا لفظ بھی "یسوع" سے نکلا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ بہرحال اس قبر کا حال تحقیق طور پر معلوم نہیں ہو سکا۔

زیارت دستگیر اس عالیشان زیارت میں حضرت محبوب سبحانی کا موئے مبارک ہے۔ جو ہمیشہ ایک ڈبیا میں بند رہتا ہے۔ اور جو سال میں ۱۱ ربیع الثانی کو ایک مرتبہ زائرین کو دکھایا جاتا ہے۔ جس مقام میں موئے مبارک ہے۔ وہ نقش و نگار سے آراستہ ہے۔ اُس کے گرد بیش قیمت سوزنکاری پارچات لٹک رہے ہیں۔ مکان کے اندر داخل ہونے کی کسی کو اجازت نہیں ہے۔ دروازے کے باہر منقبت حضرت دستگیر میں اکثر اشعار قطعات پر لکھے ہوئے آویزاں ہیں۔ ایک طرف یہ شعر بھی درج ہے جس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ یہ عالیشان عمارت جس کے لکڑی کے کام سے کشمیری کاریگری کو آج ایک عالم پر فوقیت ہے سنہ ۱۱۸۲ھ میں تیار ہوئی تھی ؎

	گفت شد خانقاہ گیلانی		سال تاریخ ایں بنا آزادہ	

موئے مبارک کے پہلو میں (جس کا دریچہ دوسری طرف ہے) سید شاہ محمد فاضل قادری کا مزار ہے۔ جس پر ایک خوبصورت کپڑا اوڑھا ہوا ہے۔ یہ سید صاحب ہمارے لاہور کے حضرت شاہ محمد رہ کے چچا تھے۔ اس زیارت کے لئے دس ہزار سالانہ کی جاگیر وقف ہے۔ متولی میر حسن صاحب قادری ہیں۔

حضرت مخدوم صاحب نام شیخ "حمزہ" کشمیری المعروف سلطان العارفین۔ مخدوم صاحب۔ محبوب العالم۔ آپ کی ولادت سنہ ۹۰۰ ہجری میں موضع تجر پرگنہ زینہ گیر میں اور وفات بمقام سری نگر سنہ ۹۸۴ ہجری میں ہوئی۔ کشمیر کے مشایخوں میں آپ کا نہایت اعلیٰ مرتبہ ہے

آپ چھوٹی عمر ہی میں تعلیم قرآن مجید سے فارغ ہو کر صحبت اولیائے مشائخ وقت سے استفادہ اٹھا چکے تھے۔ آپ کے حالات و کرامات سے کتابیں بھری پڑی ہیں۔ جن میں سے چند کے نام ذیل میں درج ہیں۔ ہدیۃ المخلصین۔ ورد المریدین معہ الشرح۔ رسالہ سلطانیہ راحۃ الطالبین وغیرہ۔ آستان مبارک قلعہ ہری پربت کے نیچے اور قلعہ کی بیرونی طویل دیوار کے اندر ہے۔ ایک سو سیڑھیاں طے کرنے کے بعد ڈیوڑھی آتی ہے۔ اُس کے آگے نوبت والے ہوتے ہیں۔ یہ دونوں گروہ درگاہ اجمیر کے مجاوروں کی طرح سایہ کی مانند ساتھ ساتھ رہتے ہیں۔ روضہ نہایت نفیس اور عالی شان ہے۔ جھاڑ فانوس لگے ہوئے ہیں۔ لکڑی کا کام بھی کسی اور روضہ سے یہاں کم نہیں ہے۔ قبر کا تعویذ شیشہ نما عمارت کے اندر ہے۔ جو چاروں طرف سے سوا ایک چھوٹے سے دروازے کے جس پر خوشنما پردے ڈالے گئے ہیں بند ہے۔ جھانک کر دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ تعویذ کے اوپر کی لکڑی نما عمارت پر ایک کپڑا ہے۔ جس پر بہت سی آیتیں اور قصیدہ ورد المریدین کے چند شعر لکھے ہوئے ہیں۔ روضہ کی عمارت۔ جس کی تعمیر دو سو سال سے بیان کی جاتی ہے بہت عمدہ اور خوشنما ہے۔ آپ کا عُرس ۲۴۔ ماہ صفر کو ہوتا ہے ؛

شیخ بابا داؤد خاکی

آپ کی قبر حضرت مخدوم صاحب کے پہلو میں شیشہ نما عمارت کے اندر واقع ہے۔ قصیدہ ورد المریدین جو حضرت شیخ حمزہ کی شان و مرتبت میں ہے۔ آپ ہی کی تصنیف ہے۔ یہ قصیدہ کشمیر میں ایسا مشہور ہے کہ کوئی شخص ایسا نہ ہوگا جس کو کم سے کم اس کا پہلا شعر ہی ؎

شکر للہ حال من ہر لحظہ نیکوتر شدہ است	شیخ شیخاں شیخ حمزہ چوں مرا رہبر شدہ است

یاد نہ ہو۔ ابھی آپ صغر سن ہی تھے کہ والدین کا سایہ اُٹھ گیا۔ نو سال کی عمر میں قرآن شریف حفظ کر کے ۲۴ سال کی عمر میں علوم عقلی و نقلی اور ظاہری و باطنی میں کامل و اکمل ہو گئے سلطان زمان نے بمشاہرہ یک صد روپیہ اپنا اتالیق اور استاد مقرر کیا۔ ایک دن کمال طمطراق کے ساتھ کشتی میں بیٹھے سلطان کے پاس جا رہے تھے۔ راہ میں دلجلہ کلاشپورہ جب حضرت مخدوم صاحب کی آپ پر نظر پڑی تو بلوایا اور چند مسئلے دریافت

گئے۔ جن کے جواب سے حضرت سلطان العارفین نہایت خوش ہوئے۔ پھر اپنی تاثیر کلام سے حضرت بابا خاکی کو ایسا متاثر کیا۔ کہ وہ "ترک دنیا نمودہ پولہ گیاہ در پا انداختہ کمر بستہ ودامن راتشمر دادہ" حضرت کی سواری کے آگے آگے دوڑتے پھرتے تھے قصبہ اسلام آباد میں ۹۹۴ھ ہجری میں آپ کا انتقال ہوگیا۔ پہلے آپ وہیں دفن کئے گئے۔ مگر بعد میں معتقدوں کی کوشش سے حضرت مخدوم صاحب کے روضہ میں جگہ پائی۔ ایک پہلو میں شیخ غلام محی الدین صوبہ کشمیر (دادا نواب شیخ غلام محبوب سبحانی مرحوم رئیس لاہور) کی قبر بھی ہے ۞

شیخ بہاؤالدین گنج بخش کشمیری گنج بخش کی وجہ اس طرح مرقوم ہے۔ کہ سلطان زین العابدین ایک دفعہ ان کے پاس آیا۔ آپ نے فرط جوش وخوش دلی میں فرمایا۔ کہ "ما شمارا گنجہائے فراواں دادیم" سلطان زین العابدین نے اس شہرت اور شوکت سے حکومت کی کہ اس کی زندگی ہی میں اس کا نام "بڈشاہ" یعنی بڑا بادشاہ مشہور ہوگیا۔ تیس سال تین ماہ چھ روز کی عمر میں آپ قطب کامل ہوگئے۔ آپ کے صاحب کرامات وصاحب ولایت ہونے کا اس سے زیادہ اور کیا ثبوت ہوگا۔ کہ حضرت شیخ نورالدین ولی اپنے آپ پر حضرت گنج بخش کو فوقیت دیتے تھے۔ ۸۶۳ھ ہجری میں آدھی رات کے وقت جبکہ آپ ایک درخت کے نیچے سر بمراقبہ تھے۔ چند چوروں کے ہاتھوں جو مال مسروقہ تقسیم کر رہے تھے بخوف افشائے راز شہید کئے گئے۔ آپ کا مزار بھی زیرین قلعہ ہے۔ اس روضہ کے اندر سینکڑوں اور ہزاروں بزرگ اور مشائخ مدفون ہیں۔ دروازہ کے متصل ہی سلطان بڈشاہ کی بیگم کی قبر ہے۔ ایک طرف سردار محمد ہاشم خان بن سردار محمد شریف خاں خلف امیر دوست محمد خاں والئے کابل کی قبر مع اُن کی بیٹی کے ہے سردار مرحوم کا انتقال ۲۸۔ رجب ۱۳۳۲ھ ہجری کو ہوا تھا ۞

مقبرہ بیگم امیر شیر علی خاں مرحوم یہ مزار احاطہ حضرت مخدوم صاحب میں ہے۔ بیگم کا نام تو نہیں مگر سن وفات درج ہے ۵۔ ماہ جمادی الاول ۱۳۱۹ھ ہجری۔ سردار ہاشم خاں اور بیگم امیر شیر علی خاں مرحوم والئے افغانستان کی قبریں گو بالکل تازہ یعنی

چھ سات سال کی تعمیر شدہ ہیں۔ مگر حروف ابھی سے بگڑ رہے ہیں۔ اور اکثر حرفوں سے سیاہی زائل ہو چکی ہے ؛

ذاکر مسجد اس تربت کے پاس ہی ایک چھوٹی سی مسجد ہے۔ جس میں لکڑی کا کام مطلق نہیں ہے یہاں حضرت مخدوم نماز پڑھا کرتے تھے۔ اس کا نام ذاکر مسجد ہے۔ مسجد کی اندرونی دیواروں پر نقش و نگار تھے۔ مگر جب وہ مٹتے گئے۔ تو کسی صاحب دل نے اُس پر سفید چونہ کا پلستر کرا دیا ہے

مسجد متعلقہ مخدوم صاحب ذاکر مسجد سے اُوپر قلعہ ہری پربت سے ذرا نیچے ایک اَور بلند اور خوشنما چوبی کار مسجد ہے۔ جس کے بڑے بڑے چھ ستون ہیں۔ اور جو کھجور کے درختوں کی مانند معلوم ہوتے ہیں۔ مسجد کا فرش پختہ چونہ گچ ہے۔ یہاں سے شہر سرینگر کا نظارہ نہایت عجیب دکھائی دیتا ہے۔ چاروں طرف نظر دوڑانے سے معلوم ہوتا ہے کہ میلوں تک گھاس کے غریبانہ مکان چلے گئے ہیں۔ دریا کا نظارہ ایک سفید مگر طویل چادر کی طرح معلوم ہوتا ہے۔ مسجد کی چھت کا اندرونی حصہ معہ ستونوں کے خواجہ محی الدین گندروُ نے اُنیس سال سے نیا تعمیر کرایا ہے۔ مسجد کی دیواروں پر مختلف زائرین کے (جن میں ہندو۔ مسلمان اور پنڈت بھی شامل تھے) بے شمار نام لکھے ہوئے تھے جو نہ صرف کشمیر کے تھے۔ بلکہ مختلف دیار و امصار۔ روہیل کھنڈ۔ پشاور۔ جہلم۔ راولپنڈی کابل وغیرہ سے بھی تھے۔ مسجد کے نیچے ایک بہت بڑا حمام ہے۔ جو مقفل تھا ؛

تالاب مسجد سے چند قدم آگے ایک چھوٹا سا مگر بہت پرانا تالاب ہے۔ جس میں پانی کے آنے کا اصل راستہ تو اب کسی کو معلوم نہیں۔ البتہ موجودہ حالت میں عقیدتمند لوگ مشکوں کے ذریعے ہر دوسرے تیسرے سال اُس میں پانی ڈال جاتے ہیں۔ تالاب

سلہ کشمیر میں مکانات کے اوپر کے حصے چونکہ بنگلہ نما ہوتے ہیں۔ اور ان مکانوں کی بالائی چھتوں کی چونکہ حفاظت نہیں کی جاتی۔ اس لئے اُن پر گھاس پھوس اُگ آتا ہے۔ اگر مکانوں کی چھتیں سیدھی ہوں تو موسم سرما میں برف کے نیچے دب جائیں۔ اس لئے محض برف سے بچاؤ کے لئے تمام کشمیر بلکہ تمام برفانی ملکوں میں اسی قسم کے مکانات بنائے جاتے ہیں ؛ ۱۲

ہیں وہ لکڑی کے معمولی غسل خانے بھی ہیں۔ پانی نہایت گندا تھا +

عمارات و مسجد دارا شکوہ تالاب کے ساتھ ہی ایک عمارت دیکھی جس کے باقیماندہ آثار سے ظاہر تھا کہ کسی زمانہ میں وہ نہایت نفیس اور عالی شان تھی۔ مگر زمانہ کی دست برد سے اب اُس کی وہ حالت ہے کہ دردِ بھرے دل اور بصیرت والی آنکھوں کو اُس پر کلیجہ تھام کر رہ جانا اور خون کے آنسو بہانا پڑتا ہے۔ اس شکستہ در و دیوار کے نقش و نگار شہزادہ دارا شکوہ نے اپنے پیر و مرشد ملا شاہ کی خوشنودیئے مزاج کے لئے بنوائے تھے اور خود بھی اُس میں اقامت گزین رہتا تھا۔ مسجد کی جس کو اب بوجہ ویرانی و سُنسانی اُجاڑ محل کہنا زیادہ موزوں ہے۔ چند دیواریں اور حوضوں کے دو چار پتھر باقی رہ گئے ہیں۔ دروازہ کو قفل لگا ہے۔ چار پانچ سپاہی پہرہ میں رہتے ہیں وہ حوض اور وسیع صحن جہاں کبھی فوارے چھوٹتے تھے۔ اور شہزادہ بے تعصب کی مصاحبت میں ہندو مسلمان علما فضلا کا ایک جم غفیر رہتا تھا۔ آج خار دار جھاڑیوں سے ایک عبرت نما ویرانہ نظر آتا ہے۔ اس کے نیچے اَور بھی چند محلات اور عمارتوں کے نشان تھے۔ اور اُن کا بھی یہی حال تھا۔ یہ حسرتناک سین دیکھکر دل دردمند کو سخت صدمہ پہنچا +

مقبرہ بڈشاہ سلطان زین العابدین عرف بڈشاہ کا مقبرہ بھی جس نے ۱۳۲۳ء میں ۵۱ سال ۱۰ ماہ تین دن تک نہایت عدل و انصاف سے حکومت کی ہے۔ بہت ردی حالت میں دیکھا مزار سلاطین میں جو ایک احاطہ کے اندر ہے ۳۵ - ۳۶ شاہزادے شاہزادیاں اور بادشاہ سیاہ پتھروں کے نیچے لیٹے ہوئے ہیں۔ یہ مقبرہ دریا کے عین کنارہ پر ہے۔ سلاطین کی تمام قبریں خراب اور شکستہ تھیں۔ ان کے اسماء کے حروف بھی ایسے مٹ چکے تھے۔ کہ تمام قبروں میں سے کسی ایک کا نام نہیں پڑھا جاسکا۔ اور اگر ایک واقفکار آدمی نہ بتاتا۔ تو زین العابدین کی قبر کا بھی کوئی پتہ نہ ملتا۔ البتہ بیرونی قبروں میں سے بعض کے نام اور تاریخہائے وفات کچھ کچھ پڑھے جاتے ہیں۔ مزار سلاطین میں ایک ڈیوڑھی ہے جو ہمیشہ بند رہتی ہے۔ اور جس میں سرکاری غلہ شالی وغیرہ ہے۔ افسوس! ڈیوڑھی کی خراب حالت دیکھکر تمام مزار کی تصویر آنکھوں کے سامنے کھچ جاتی ہے۔ دروازے کے باہر

ایک بہت بڑے پتھر پر جو بازار کی طرف ہے مندرجہ ذیل حروف دیکھے گئے ہیں:-

اززیارت روضۂ اجداد سلطانِ حبیب	دید و گفت ایں جائے شاہاں تنگ گو عنقریب
(یہاں سے پڑھا نہیں گیا) پہلویش فرُودو	ازیں روضہ نگردد ہیچ شاہی بے نصیب
گاہ تعمیر بنائے او شنیدم از سروش	سالِ تاریخش مزار شاہ تتے سلطان حبیب

گو پتھر سے تو معلوم نہیں ہو سکا کہ کس بادشاہ کی تاریخ وفات ہے مگر تواریخوں کے ورق الٹنے سے معلوم ہوتا ہی کہ سلطان حبیب شاہ کیطرف اشارہ ہی جسنے جبہ کدل تعمیر کیا تھا اور جو سنہ ۱۵۵۳ھ میں کشمیر کا بادشاہ تھا

شاہ ہمدان یا خانقاہ معلےٰ

کہتے ہیں کہ حضرت امیر کبیر میر سید علی ہمدانی جب کشمیر میں تشریف لائے تو آپکے دو تبرکات عالیہ تھے منجملہ ان کے ایک ستون آنحضرت صلعم کے خیمہ کا تھا۔ شاہ ہمدان نے جہاں اب خانقاہ معلیٰ ہی۔ اس ستون کو کھڑا کر کے اپنا علم بھی نصب کر دیا۔ بیان کیا جاتا ہے۔ کہ عصا اور ستون سے بیشمار کرامتیں ظاہر ہو چکی ہیں۔ اب صرف یہاں ستون ہی ستون ہے۔ عصا کوئی حضرت چرا کر لیگئے ہیں۔ سکھوں کے زمانہ میں اُن کے ظلم و ستم نے اس ستون کو بھی سلامت نہ رہنے دیا۔ اس کے دو ٹکڑے کر دیئے۔ جو اب تک موجود ہیں۔ یہ عمارت بھی عین دریا کے کنارے ہے۔ اس پر لاکھوں روپئیوں کی لاگت آچکی ہے۔ اب بھی اس کی چھت کے اوپر کے حصہ کی صفائی اور مرمت ہو رہی ہے۔ جس پر دس ہزار کی لاگت کا تخمینہ ہے۔ زیارت مبارک کے اندر کچھ اس قسم کی نقاشی سے کام لیا گیا ہے۔ کہ عقل حیران رہ جاتی ہے۔ مینار نہایت بلند اور خوبصورت ہے۔ دو دروازے ہیں۔ ایک دریا کی طرف اور دوسرا بازار میں ہے۔ جھاڑ۔ فانوس اور نقش و نگار اور مکان اور مسجد کی اندرونی و بیرونی حیثیت ہی سے اس کا رعب و جلال اور شان و شوکت ظاہر ہو جاتی ہے۔ عُرس ۶۔ ذوالحجہ الحرام کو ہوتا ہے ؛

جامع مسجد

سری نگر کی یہ بادشاہی مسجد جہانگیر کے عہد کی بنی ہوئی ہے۔ بڑے دروازہ کے سامنے ہی دیوار کے ایک پہلو میں سیاہ پتھر کے حرفوں سے شاہجہان کے ایک فرمان کی نقل بدعتوں کے دُور کرنے کے متعلق درج ہے۔ دروازے پر اور بھی چند اشعار وغیرہ تھے مگر وہ پڑھے نہیں گئے۔ ڈیوڑھی میں داخل ہوتے

ہی چوبی ستونوں کی بلندی پر جب نظر ڈالی جاتی ہے تو پگڑی کو دونوں ہاتھوں سے سنبھال لینا پڑتا ہے۔ ستونوں کی بلندی ۶۰ فٹ تک ہے۔ ڈیوڑھی کے دونوں طرف بے شمار شہتیریاں پڑی ہوئی ہیں۔ بائیں طرف سے چھت کا تھوڑا سا حصہ گر گیا ہے۔ جو مرمت کے لئے حکام وقت یا کسی اہل دل کا منتظر ہے۔ ڈیوڑھی سے گذرتے ہی ایک بلند چبوترہ پر مؤذن مسجد آتی ہے۔ اس کے دائیں طرف سیاہ پتھر کا ایک حوض پانی سے ہمیشہ لبریز رہتا ہے۔ صحن باوجود بیسیوں درختوں کی موجودگی کے پھر بھی نہایت وسیع ہے۔ اس مسجد کی طرز ساخت بالکل نرالی اور عجیب قسم کی ہے۔ بظاہر تمام مسجد میں ستون ہی ستون نظر آتے ہیں۔ جن کی تعداد شاید کئی سو تک ہوگی۔ مسجد کی خوبصورتی کا انحصار اب صرف طلائی کلس پر ہے۔ کیونکہ صحن میں گھاس اس قدر اُگی ہوئی ہے کہ مسجد معلوم ہی نہیں ہوتی۔ چھت بعض جگہ سے ٹوٹ گئی ہے۔ لکڑیاں شکستہ ہو گئی ہیں اور چونہ گر رہا ہے۔ اس مسجد نے بھی کئی انقلاب دیکھے ہیں۔ کئی دفعہ آتش زدگی سے جل گئی۔ اور کئی دفعہ بنائی گئی۔

پتھر مسجد جس کو نور جہاں نے نہایت شوق سے تعمیر کرایا تھا۔ اب عجب کس مپرسی کی حالت میں ہے۔ یہ عالیشان اور خوشنما مسجد جس کے اکثر کنگرے اب بھی کبھی گرائے جاتے ہیں۔ سرکاری غلہ کے لئے محفوظ رکھی گئی ہے۔ کوئی مسلمان یہاں نماز نہیں پڑھ سکتا۔ البتہ ایک سپاہی جو سرکاری ذخیرہ کا محافظ ہے مسجد کے دروازہ پر ہمیشہ مقیم رہتا ہے۔

حضرت بل۔ کشمیر کی اس سب سے زیادہ متبرک و مشہور زیارت کا تذکرہ پہلے ہو چکا ہے۔ تخت سلیمان۔ چشمۂ شاہی۔ شالامار باغ۔ نسیم باغ۔ نشاط باغ۔ چنار باغ یہ سب مقامات بھی قابل دید بلکہ اکثر قابل عبرت ہیں۔ بصیرت کی عینک اور تخیل کی نگاہ سے دیکھے جائیں۔ تو ہر در و دیوار بلکہ ہر برگ و گل پر یہ ہر ورقے دفتریست معرفت کردگار" کے بعد یہ لکھا نظر آئیگا ؎

ایں نقش و نگارِ در و دیوارِ شکستہ		آثار پدید است صنادیدِ عجم را!	

کارخانہ ریشم

یہ کارخانہ نہایت عظیم الشان پیمانہ پر قایم ہے - اور کچھ شک نہیں کہ اس سے نہ صرف ریاست ہی کو فایدہ ہے بلکہ ہزارہا غریب مرد وزن بھی اس کے طفیل اپنا پیٹ پال رہے ہیں - کُل مزدوروں اور دیگر اعلےٰ وادنیٰ ملازموں کی تعداد ستر ہزار کے قریب ہے کشمیر کا پشمینہ کسی زمانہ میں یورپ بھر میں نہایت قدردانی کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا - مگر انقلاب زمانہ کے زبردست ہاتھوں نے کشمیر کے اس اعظم ترین کاروبار کا بھی ستیاناس کر دیا - کئی سالوں کے بعد اب چند سال سے موجودہ حکومت نے ریشم کی پیداوار کا کارخانہ سری نگر میں قایم کیا ہے - سنہ ۱۹۰۵ء میں یہاں کے خام ریشم سے چار لاکھ روپیہ سے بھی زیادہ آمدنی ہوئی تھی - لیکن بیان کیا جاتا ہے کہ سنہ ۱۹۰۶ء کی پیداوار سابقہ سالوں سے بھی زیادہ ہے - کشمیر کے خام ریشم کی ولایت خصوصاً فرانس کے صوبہ لائینس میں اب بھی بڑی قدر ہے ؛

عجائب گھر اور لائبریری

ریذیڈنسی سے پار (دریا کی دوسری طرف) محکمہ خاطر تواضع اور صاحب پرائیویٹ سکرٹری کی کوٹھی کے درمیان ایک خوشنما اور خوبصورت عمارت ہیں عجائب گھر بھی ہے - اور لائبریری بھی - عجائب گھر میں مختلف قسم کے آبی اور جنگلی جانوروں کی (مُردہ) شکلیں نظر آتی ہیں - ایک کمرہ میں لکڑی کی نقاشی کا کام ہے - ایک الماری میں کشمیر کے پُرانے سکّے روپیئے - پیسے - دھیلے - دونیاں - چونیاں - وغیرہ رکھی ہیں - ان کے ساتھ ہی سنسکرت تبتی اور فارسی زبان کی بہت پُرانی قلمی کتابیں بھی ہیں - جو باوجود بھوج پتر پر لکھے جانے کے نہایت خوشخط تھیں - فارسی کی ایک کتاب دیکھی جو کشمیری کاغذ پر باوجود نہایت گنجان لکھائی کے خط کا جوہر کمال دکھا رہی تھی - دیواروں کے ساتھ پیتل - چاندی - لوہے - تانبہ - زہر مُہرہ - اور پتھر وغیرہ کے ایسے خوبصورت نقشین برتن ہیں جنکے نقش ونگار اور کمال صنعت کی حقیقت بغیر دیکھے معلوم نہیں ہو سکتی - کشمیر کی ساختہ ڈھال - تلوار - نیزہ - برچھی - بندوق اور دیگر جنگی ہتھیار بھی کچھ کم حیرت انگیز نہ تھے - سر راجہ رام سنگھ اور مہاراجہ رنبیر سنگھ متوفی کی قد آدم روغنی تصاویر سے شاہانہ رُعب وجلال برس رہا تھا - لائبریری اسی عمارت کے ایک پہلو

میں ہے۔ اخبارات اور میگزین انگریزی زبان کے زیادہ ہیں اور وہ بھی ولایت کے۔ اُردو کا صرف ایک ہی اخبار آتا ہے۔ کتابیں بھی بہت کم ہیں۔ اور جس قدر ہیں وہ انگریزی میں ہیں۔ تعجب ہے کہ کشمیر کی لائیبریری اور تواریخ کشمیر سے خالی۔ ایک دو کتابیں ہوئیں تو کیا ہوا۔ سنسکرت۔ فارسی۔ اُردو میں کئی کتابیں تواریخ کشمیر کے متعلق ہیں۔ جو ہر چند نایاب ہیں۔ مگر ریاست اگر فراہم کرنا چاہے تو چنداں دشوار نہیں ؂

کشمیر کے باغ اور چشمے

باغ نظام کائنات میں باغوں اور چشموں کو بھی انسان کی زندگی کے ساتھ خاص تعلق ہے۔ اخلاق وصحت صنعت وحرفت تحریر وتقریر۔ غرض معاشرت کی ہر شاخ پر ہم انکا رنگ دیکھ سکتے ہیں۔ یہ قدرت کی حیرت انگیز نیرنگیوں کو بہت خوبی سے دکھلاتے ہیں۔ قدرتی نظاروں میں جو مشاہدہ کی عملی تعلیم کا جزو اعظم ہیں۔ باغ وراغ گل وگلزار دشت کوہسار اور آب رواں ہی کا زیادہ حصہ ہے۔ چمن کی گلگشت دریا کی سیر مغموم اور دل گرفتہ اشخاص کو دنیا کے تردوات وتفکرات سے آزاد کر کے شاد وبشاش ہی نہیں کرتی۔ بلکہ ان کے مزاج میں رحم دلی۔ ملنساری۔ خوش طبعی اور سنجیدگی بھی پیدا کر دیتی ہے۔ ایسے ہی منظروں سے ہم عروج وزوال وغیرہ دنیاوی انقلابات اور اُن کے اسباب کے متعلق ایک اچھا سبق حاصل کر سکتے ہیں ؂

یوں تو قدرت کے جلووں سے دنیا کا کوئی حصہ خالی نہیں۔ مگر ہند کی سرزمین اپنی سرسبزی اور شادابی کے باعث ایسے قدرتی دلکش تفریح گاہوں کا مخزن ہے۔ اور ہند میں بھی کشمیر کا تو عالم ہی نرالا ہے۔ پھل پھولدار درختوں کی کثرت ہری بھری پہاڑیوں کے دلربا منظر نہروں اور چشموں کی تازگی بخش ہوا اور میدانوں کے دل میں کھب جانیوالے پُربہار گلزار نے اسے جنت کا نمونہ بنا رکھا ہے۔ سری نگر اور مضافات کشمیر میں باغات کی کثرت کے آثار اب بھی بکثرت پائے جاتے ہیں۔

خاص شہر میں شالامار باغ ـ نسیم باغ ـ نشاط باغ ـ چنار باغ ـ کوٹھی باغ ـ رام باغ ـ
ہری سنگھ باغ ـ شیخ باغ ـ منشی باغ ـ بسنت باغ ـ مہاراج باغ ـ حضوری باغ وغیرہ اکثر
نام سُنے جاتے ہیں ـ جن میں سے بعض تو اب تک بھی باغ و بہار ہیں ـ اور اکثر برائے
نام ہیں ـ کشمیر میں جہاں فرحت و دلبستگی کے بہت سے سامان ہیں ـ وہاں کشمیریوں کے
دل بھی قدرت پرستی کے جوہر سے خالی نہیں ـ جاپانیوں کی طرح اہل کشمیر بھی سب کاروبار
بند کر کے موسم بہار میں پھولوں کی سیر کیا کرتے ہیں ـ مارچ کے مہینے میں جب گرمی
سردی اعتدال پر ہوتی ہے ـ اور باغوں میں جو قلعہ کی چڑھائی کے کنارے کنارے
ہیں بادام کے درخت کثرت سے پھولتے ہیں ـ ہزاروں زندہ دل عیش پسند کشمیری
ان کے نظارے کے لئے شہر سے نکل جاتے ہیں ـ بادام کے درخت جو بہت پاس
پاس ہیں بے شمار سفید یا ہلکے گلابی پھولوں سے لد جاتے ہیں تو ایسا معلوم ہوتا
ہے کہ ابر کے ٹکڑے سورج کی دھیمی دھیمی شعاعوں میں جگمگا رہے ہیں ـ اسوقت
درختوں پر پتوں کا پتہ بھی نہیں ہوتا ـ پھولوں کے گھنے گھنے گچھے شاخوں کو اسطرح
ڈھانک لیتے ہیں کہ ان کا گہرا سایہ زمین پر ہو جاتا ہے ـ اور یہیں بیٹھکر قدرت کی
دلفریبیوں پر مٹ جانیوالے کشمیری چا پیتے اور بہار کے گیت گاتے ہیں ـ ایک مہینے
بعد بکائن کے پھولوں کا نظارہ بھی قابل دید ہوتا ہے یہ درخت جھیل کی تمام سیرگاہوں
میں کثرت سے پائے جاتے ہیں ـ ان کے پھولوں کی رنگینی اور خوبصورتی کچھ نشاط
باغ ہی میں نظر آتی ہے ـ نشاط باغ ان چند یادگار باغوں میں ہے ـ جو سلاطین مغلیہ
نے کشمیر میں موسم گرما بسر کرنے کے لئے لگائے تھے ـ اس میں شک نہیں ـ کہ
مغل بادشاہوں نے جیسی سرگرمی اور اولوالعزمی ان تعمیرات میں دکھائی ہے
ویسی شاہانہ شان و شوکت سے حکومت بھی کی ـ مگر افسوس ناپایدار زمانہ کے ہاتھوں
اب ان کی سلطنت کے آثار عظیم سے لے دیکر صرف یہ چند باغ باقی ہیں ـ یہ باغ
زمانہ کے نشیب و فراز کی تصویریں ہیں ـ جو نگاہ عبرت سے دیکھنے والوں کو مغلوں
کی طرز معاشرت اور ان کی گذشتہ عظمت کی یاد دلاتی ہیں ـ جھیل کے کنارے

سے دامن کوہ تک فصیلوں کا ایک زنجیرہ سا کھچا ہوا ہے۔ روشوں پر بڑے بڑے تناور سڈول درخت اپنا خوبصورت چھتر کھولے ہوئے کھڑے ہیں۔ حاشیوں پر دورویہ سرو کی قطاریں ہیں۔ جن کے دور میں ہر طرف ہموار تختوں میں نرم نرم سبزہ لہلہا رہا ہے وسط میں صاف پتھر سے پانی کی چھلکتی ہوئی نہر آہستہ آہستہ بہتی چلی جاتی ہے۔ اور سب سے اوپر والی فصیل سے نہایت خوشنما آبشار کی صورت میں گر گر کر باغ کے موزون قطعوں پر بیشمار فوارے دار حوضوں میں پھیل جاتی ہے۔ پھر وہاں سے اس کی ہلکی ہلکی لہریں درجہ بدرجہ ہر فصیل پر شفاف آبی چادر گراتی ہوئی جھیل میں جا پڑتی ہیں۔ ایک جانب ڈھالو پہاڑیوں کی بلند کراریں باغ سے ہزاروں فیٹ اونچائی پر پہنچ جاتی ہیں دوسری طرف وسیع جھیل کا ٹھہرا ہوا پانی اور جابجا دیہات کی آبادی سے منقش میدان پار والے ناہموار برفانی سلسلہ سے ہماری نگاہوں کو ایک خوشگوار نظارہ کے سہارے ادھر پھیر دیتے ہیں ؎

شالامار باغ میں گرمیوں میں رہنے کے چند نہایت نفیس مکان بنے ہیں۔ جن کے سنگ موسیٰ کے ستون سنگ تراشوں کی اعلےٰ دستکاری کا نمونہ ہیں۔ یہاں مجنوں فراش سرس وغیرہ کے بلند بالا درختوں کی دُور دُور پھیلی ہوئی شاخوں اور سبز پتوں کے اندر سے کوہ مہادیس کی برف آلود چوٹیوں کی چمک دمک ایک عجیب دلکش منظر پیش نظر کرتی ہے۔ نیرنگ زمانہ نے ابتک کیا کچھ تبدیلیاں نہیں کیں۔ تاہم یہ باغ گرمائی مسکنوں کی طرز تعمیر اور قدرتی مناظر کی خوبی کے لحاظ سے آپ اپنا جواب ہے ایک وہ زمانہ تھا جب مہام جانبانی کے ترددات سے فارغ اور بدباطن اراکین کی ناچیز سازشوں سے بیخبر قدرت کے دلدادہ جہانگیر اور نورجہاں ان سایہ دار روشوں پر مصروف گلگشت رہا کرتے تھے۔ یہ شاندار چنار کے درخت انہوں نے نہایت ذوق وشوق سے لگائے تھے۔ مگر آہ ان کی پوری نشوونما کا لطف دیکھنا انہیں نصیب نہ ہوا۔ آج ان کی محنتوں کے ثمرے کے اور ہی لوگ مالک ہیں۔ اور یہی ان کی بہاریں لوٹ رہے ہیں۔ مغل خاتونوں کے عوض اب وہی حسین زیادہ شوخ وشنگ ہیں

جو آئے دن ان باغوں میں سیر اور دعوتیں کیا کرتے ہیں۔ ان شاہی باغات کی رونق و تزئین کے لیئے انسانوں نے کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھنے کی مشکور کوشش بہت کی ہے مگر قدرت نے اسے اور بھی دلکش بنا کر دکھایا ہے۔ نسیم باغ اپنے پُرفضا منوں سایۂ دم چوڑی روشوں لہلہاتے سبزوں اور ڈل کی سطح تک پہنچنے والی دوب پٹریوں کی بدولت خوبی اور خوشنمائی میں تمام باغوں سے ممتاز ہے۔ اکثر اہل نظر کی رائے ہے۔ کہ یہاں سے ڈل کا نظارہ دنیا کے تمام منظروں سے زیادہ دلاویز ہے۔ اسی کو دیکھکر شہنشاہ جہانگیر نے ایک مرتبہ بے انتہا تعریف کرتے کرتے کہدیا تھا کہ فردوس بریں کی جس قدر تعریف کی جاتی ہے۔ مبالغہ ہے۔ یہاں کے آبی سوسن اور ان رنگین پھولوں کے پانی پر پڑے ہوئے عکسوں کے مقابلہ میں کچھ بھی نہیں۔ ان دستور کے موافق لوگ شب کو آس پاس کی پہاڑیوں پر آگ روشن کر کے پانی میں شعلوں کے عکس سے حظ اٹھاتے تھے۔

اس دلفریب سین کی خوبی کچھ زرشک اور کنارے کے لٹکنے یا گل نیلوفر کے لہروں کا ستر تاج ہونے ہی پر منحصر نہیں۔ بلکہ وہ اسی وقت مکمل ہو جاتی ہے۔ جب نکلتی گرمیوں میں گلگوں چنار کی بہار آنکھوں کے سامنے شام کی شفق کا سماں باندھتی ہے۔ خزاں میں سرخ چنار پر عجب عالم ہوتا ہے۔ اس کے رنگ کی شوخی کوسوں تک آگ لگا دیتی ہے۔ پھول کچھ زردی مائل سرخ اور کچھ قرمزی رنگ کے ہوتے ہیں۔ جن پر نارنجی چنار اور سبز بید کی چھاؤں اور بھی قیامت ڈھاتی ہے۔ اور ہر خزاں رسیدہ گھاس پر اوس پڑ جانے سے اس کا نارنجی یا نگین اینٹ کا سا رنگ پتھر کے ٹکڑوں کے ہلکے بنفشی اور ارغوانی عکسوں سے مل جل کر مغرب کے وقت عجیب ہی لطف دیتا ہے۔

چشمے کشمیر کے میدان۔ دریا اور پہاڑ چشموں سے لبریز اور سیراب ہیں۔ چشموں کی تعداد سیکڑوں سے متجاوز ہو کر ہزاروں تک پہنچی ہوئی ہے۔ کوئی چشمہ ایسا نہیں جو کسی خاص صفت سے موصوف نہ ہو۔ بڑے بڑے چشموں پر جو پُرفضا مقامات میں ہیں۔ اکثر عالیشان عمارات ہیں۔ ہندوؤں کے قابل دید مقامات میں چونکہ چشموں کا ذکر تفصیل سے لکھا جائیگا۔ اس لیئے یہاں صرف اُن چشموں کا مجمل ذکر کیا جاتا ہے۔ جو پُرفضا ہونے کے

باعث خاص طور پر مشہور ہیں:-

اچھ بل ۔ اسلام آباد سے پانچ میل کے فاصلہ پر دامن کوہ میں یہ خوبصورت چشمہ ایک پُر فضا جگہ پر واقعہ ہے۔ شاہجہان کے تعمیر کردہ باغات اور مکانات ابتک موجود ہیں یہاں کا باغ لاہور کے شالامار باغ کیطرح سات تختوں پر منقسم ہے۔ جنمیں آبشاریں اور فوارے ایک دلاویز عالم پیدا کرتے ہیں۔ ریاست کیطرف سے بھی چند نئی عمارتیں یہاں بن گئی ہیں۔ مہاراجہ صاحب اور سیاحان کشمیر کے علاوہ جسقدر ویسرائے و گورنر جنرل کشمیر میں آتے ہیں سب اچھ بل کی سیر سے مسرور ہوتے ہیں لارڈ منٹو موجودہ ویسرائے بہادر بھی سنہ ۱۹۰۶ء میں یہاں آئے تھے +

ویری ناگ ۔ اسلام آباد سے ۱۶ میل کے فاصلہ پر بجانب شرق ویری ناگ ایک قصبہ ہے۔ جسمیں ایک بہت بڑا چشمہ ہے اور جسکے اردگرد سرکاری عمارات ہیں یہ چشمہ ہشت پہلو ہے۔ چشمہ سے ایک نہر نکلکر باغ میں جاتی ہے۔ فوارے اور آبشاریں یعنی پانی کی چادریں بھی جنکو کشمیری میں پان چادر کہتے ہیں۔ اپنا عجیب منظر دکھاتی ہیں۔ یہ چشمہ بانہال پہاڑ کے دامن میں پچاس فٹ گہرا ہے۔ یہاں مچھلیاں بہت کثرت سے ہیں۔ جنکو اکثر لوگ آٹے کی گولیاں کھلاتے رہتے ہیں۔ باغات اور تعمیرات بناکردہ شاہجہان ہیں۔ مرمت وغیرہ ریاست کیطرف سے ہوتی رہتی ہے +

واسک ناگ ۔ ویری ناگ سے شمال کیطرف پانچ کوس کے فاصلہ پر موضع کنڈ کاپنچاو میں یہ خوبصورت اور مصفا چشمہ واقعہ ہے۔ کہتے ہیں کہ اس کا پانی ۱۷ بیساکھ کو خودبخود پیدا ہوجاتا اور ۱۷ کاتک کو غائب ہو جاتا ہے۔ اور اسی تاریخ یعنی ۱۷ کاتک کو ہی پانی کشتواڑ کے چشمہ سے نکلنا شروع ہوتا ہے۔ فاصلہ دونوں مقامات کا ستر اسی میل تک ہے۔ اس چشمہ میں دو گیل یعنی چوب کلاں ہمیشہ رہتے ہیں۔ جو ہوا کے تند کیوقت آپس میں ٹکراتے رہتے ہیں۔ اور جب ہوا بند ہو جاتی ہے۔ تو خود ہی علیحدہ ہو جاتے ہیں +

کوثر ناگ (یا کولہ ناگ) یہ چشمہ ایک چھوٹے سے دریا کی مانند ہے۔ لمبائی اس کی پانچ چھ کوس گہرائی دو سو فٹ اور چوڑائی پانچ چھ سو گز کے قریب ہے۔ اس چشمہ

سے پانچ ندیاں بھی نکلتی ہیں۔ جن میں سے چار پہاڑوں میں بہتی ہیں۔ ان کے علاوہ سوکھ ناگ۔ سوندہ براری۔ رود رسندھیا۔ چشمہ اونتی پور۔ کرشنہ سر۔ سربل تنگ چھک ناگ۔ خوشحال سر وغیرہ بیسیوں چشمے مشہور اور پُرفضا ہیں +

کشمیری مُسلمان

شادی غمی کی رسومات

بچہ کی پیدائش پر اُس کے کپڑے (عموماً پھرن) بناتے ہیں جنکو "زاے پھرن" کہتے ہیں۔ رسم "تربیہ" میں جو تیسرے دن ہوتی ہے۔ اپنے رشتہ داروں کو کھانا کھلاتے اور "سندر" کو یعنی ساتویں دن ایک اور ضیافت دیتے ہیں۔ موتراشی میں جو دسویں دن ہوتی ہے اور "زرہ کاسنہ" کے نام سے مشہور ہے۔ دعوت و ضیافت کے علاوہ حجام کو حسب استطاعت نقد اور پوشاک دیتے ہیں۔ تین چار سال کے بعد لڑکے کا ختنہ ہوتا ہے۔ اس رسم میں بہت اسراف اور بہت کثرت سے ضیافتیں دیتے ہیں۔ اس تقریب پر تنبول بھی لیا جاتا اور نائی کو حسب توفیق سب اہل خاندان کیطرف سے کچھ نقد وغیرہ دیا جاتا ہے۔ "پچھل" یعنی ناطہ کی تقریب پر لڑکے والا زیور۔ مٹھائی۔ میوہ جات وغیرہ تحفۃً لیکر جاتا ہے۔ نائی۔ دھوبی۔ چنڈال۔ چوکیدار وغیرہ۔ چھوٹی ذاتوں کو بھی کچھ نہ کچھ اس موقعہ پر ملتا ہے۔ شرفا میں عموماً ناطہ کے ساتھ ہی "ایجاب و قبول" بھی ہو جاتا ہے۔ شادی کی رسم سال دو سال یا اس سے کم وبیش میعاد میں ادا ہوتی ہے۔ جس میں چار دن تک علی العموم دعوتیں دیجاتی ہیں۔ پہلی دعوت کا نام گرناوا ہے۔ دوسری کو حنابندی کہتے ہیں۔ جس میں گانے بجانے کے علاوہ مہندی کی رسم بھی ادا کیجاتی ہے۔ کشمیری عورتیں عموماً گلے میں باہیں ڈالے۔ بالمقابل جماعت بندی کی صورتیں گاتے دیکھی گئی ہیں۔ مگر شادی کے موقع پر پنجاب یا دیگر ممالک ہندوستان کیطرح بیٹھکر گاتی ہیں۔ دعوتوں میں گوشت اور چاول کا کثرت سے خرچ ہے۔ اس تقریب پر چراغان بھی ہوتا ہے آتش بازی

بھی چھوٹتی ہے۔ اور بھانڈ وغیرہ گاتے باجہ بجاتے اور ناچتے ہیں۔ تیسرے دن دُلہا دُلہن کے گھر میں چند منتخب مدعو لیکر آتا ہے۔ جسکو برات کہتے ہیں۔ دوسرے دن یعنی وٹھل کی دعوت تک خوب تکلفات سے کام لیتے ہیں۔ وٹھل کے بعد برات روانہ ہو جاتی ہے۔ عوام میں برات کے ساتھ عورتیں بھی جاتی ہیں۔ مگر شرفا میں یہ رواج نہیں ہے۔ ناطہ سے لیکر شادی کے دن تک دُلہا کیطرف سے ہر اسلامی تیوہار پر میوہ مٹھائی اور نقد وغیرہ دُلہن کے گھر بھیجا جاتا ہے۔ برات کے بعد بلا پابندیٔ وقت دُلہا چند آدمیوں کو ہمراہ لیکر سُسرال جاتا ہے۔ اور سات دن تک وہاں رہتا ہے اس ایک ہفتہ میں ضیافتوں کا طومار بندھ جاتا ہے۔ روانگی کے دن دُلہا کو تمام سروپا اور بعض صاحب استطاعت گھوڑا معہ ساز وچار جامہ وغیرہ دیتے ہیں۔ دلہن بھی طرح طرح کے نان۔ کلچہ۔ باقرخانیاں اور میوہ مٹھائی وغیرہ میکے میں اپنے ہمراہ لیجاتی ہے۔

کشمیر میں دعوتوں اور ضیافتوں کا اسقدر رواج ہے۔ کہ میت ابھی گھر ہی میں ہوتی ہے۔ بلکہ ابھی اُس کے غسل وتجہیز وتکفین سے بھی فارغ نہیں ہونے پاتے۔ کہ ضیافت کا سامان شروع ہو جاتا ہے۔ میت کو سپرد خاک کر چکنے کے بعد تمام اقربا ہمسایوں اور دیگر لوگوں کو جنکی تعداد اڑھائی تین سو کے قریب ہوتی ہے۔ پُرتکلف کھانے کھلاتے ہیں۔ ایک جماعت پیر صاحبان کی بھی قرآن خوانی کے لئے آتی ہے۔ جن کو علاوہ ضیافت کے کچھ نذرانہ بھی دینا پڑتا ہے۔ چوتھے دن یعنی "قُل" تک یہ رسم جاری رہتے ہیں تیسویں دن یعنی ماہ سوار کو پھر ایک ضیافت دیجاتی ہے۔ پھر دس دن کے بعد یعنی چالیسویں کو ایک اور دعوت دیکر "مُردہ کی روح" کو رخصت کر دیتے ہیں۔ ان ماتمی دعوتوں کے بعد اب سالانہ ماتم رہ جاتا ہے۔ اُس دن بھی کھانا کھلانے کے علاوہ خوب روتے پیٹتے ہیں۔ اپنے عزیزوں کی موت پر کسکو رونا نہیں آتا۔ مگر کشمیریوں کا ماتم حد سے زیادہ سخت دیکھا گیا ہے۔ عورتوں کی کمزوری اور رقیق القلبی کا تو سب جگہ ایک ہی حال ہے۔ یہاں کے مرد بھی بلند آواز سے ہائے وائے پکارتے چیختے چلاتے اور کپڑے پھاڑتے ہیں۔ بلکہ بعض تو مُردہ کے ساتھ ہی قبر میں گھُسنے کی کوشش

کرتے ہیں جسطرح بعض پنجابی ہندوؤں میں اب تک سیاپا اور "میراسنوں کی" "الاؤہنیاں" دینے کی رسم جاری ہے۔ اکثر کشمیری بھی اسی رسم کے پابند دیکھے گئے ہیں مگر یہ "الاؤہنیاں" صرف چار روز تک رہتی ہیں ؛

شادیاں عموماً چھوٹی عمر میں ہوتی ہیں۔ البتہ ہانجی لوگ جوان عمر میں کرتے ہیں۔ کشمیری لڑکیاں آٹھ دس سال تک ایک دلاویز عالم میں رہتی ہیں۔ چوٹی کیطرف مصنوعی بال بنائے جاتے ہیں۔ جنکو "وانک" کہتے ہیں۔ غریبوں کے وانک کالے دھاگے کے اور اُمرا کے ریشمی اور بعض کے مرصع بہ طلا ہوتے ہیں۔ یہ دھاگے بالوں کے ساتھ گوندھ دیئے جاتے ہیں۔ اور پشت پر لٹکتے رہتے ہیں۔ سر پر ایک چھوٹی سی ٹوپی ہوتی ہے۔ آسائش و بناوٹ کا بہت کم خیال ہے۔ جس سادگی میں ہیں اُسی میں مست ہیں ع

خود جوانی ہے جوانی کا سنگار   سادگی زیور ہے اس سن کیلئے

مسلمان کشمیری عورتوں کا زیور بھی پنجاب اور دیگر ممالک سے مختلف ہے۔ ہاتھوں کا زیور چوڑیاں، انگشتریاں اور کڑے وغیرہ تو اہل پنجاب ہی سے ملتے جلتے ہیں۔ مگر کان کے زیوروں میں بہت کچھ تفاوت ہے۔ والہرو چار دانی ایک زیور روپیہ کیطرح گول ہوتا ہے۔ یہ کان میں پہنتے ہیں۔ جسکے نیچے "جھمکہ" بھی ہوتا ہے۔ حلقہ بند۔ مرصع ہوتا ہے اور گلے میں پہنتے ہیں۔ والہرو چار دانی کے اوپر گوشوارہ یعنی ڈنڈیاں چاندی یا سونے کی ہوتی ہیں۔ کانوں میں چھید تو ہر طرف پانچ پانچ چھ چھ ہوتے ہیں۔ مگر گوشوارے دونوں طرف کے صرف دو چھیدوں ہی میں ڈالے جاتے ہیں۔ قسابہ کے اوپر تین چار تعویذ سونے چاندی کے ہوتے ہیں۔ قسابہ سُرخ الوان کا ہوتا ہے جو تاکین یعنی کل پُشو (ٹوپی) کے گرد باندھا جاتا ہے۔ جُگنی مشہور زیور ہے سونے کی ہوتی ہے۔ کانٹھ مال۔ گلے میں آویزاں رہتی ہے۔ حسب توفیق سونے یا چاندی کی بنائی جاتی ہے۔ ترٹو۔ گلے میں ایک ہار طلائی یا نقرئی ہوتا ہے۔ آرسی اور پاؤں کے چھلے وغیرہ عموماً چاندی کے ہوتے ہیں ؛

تعلیم مسلمانان کشمیر

راجپوتانہ۔ وسط ہند۔ ممالک متحدہ۔ کا اکثر مرتبہ سفر کیا ہے۔ وہاں

کے مسلمانوں کی تعلیمی حالت نہایت بُری دیکھی۔ اور چونکہ یہ لازمی ہے کہ جس قوم یا جس ملک میں تعلیم کس مپرسی کی حالت میں ہو۔ وہاں کی مالی و اخلاقی حالت بھی قابل رحم ہو۔ اس لیئے نہ ان لوگوں میں جن کے مذہب میں نہ صرف مردوں بلکہ عورتوں کے لئے بھی علم جیسی نعمت کا پڑھنا اور حاصل کرنا ضروری ہے۔ کوئی سلیقہ دیکھا۔ نہ ہنر۔ نہ بات کرنے کی تمیز۔ نہ ان کے بدن پر کوئی کپڑا نظر آیا۔ جو ان کے افلاس کا بیّن ثبوت تھا۔ خیال تھا۔ کہ ان سے بڑھکر اور کس ملک میں مسلمانوں کی حالت زیادہ دردناک ہوسکتی ہے مگر کشمیر کے مسلمانوں نے یہ خیال باطل کر دیا۔ اور ان کی تعلیمی حالت بد سے بھی بدتر نکلی ٭

زمانہ گذشتہ میں تعلیم کا کیا حال تھا؟

سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا اس جنت نظیر ملک کی بدنصیب قوم ہمیشہ سے ایسی ہی اجہل و بے علم رہی ہے؟ تواریخ پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر چند زمانہ سلف میں کوئی باضابطہ مدارس نہ تھے۔ اور صرف مسجدوں کی تعلیم ہوتی تھی۔ تاہم اس خاک پاک سے ایسے ایسے باکمال پیدا ہوئے ہیں۔ جن کی خدمت میں زانوئے ادب تہ کرنے کیلئے مرزا صائب ایسا مسلم الثبوت شاعر ایران کی سرزمین سے کشمیر میں آیا تھا۔ کشمیری شعراء نے مادری زبان (کشمیری) کے علاوہ عربی اور فارسی کے سمندر سے وہ دُرِ آبدار نکالے ہیں۔ جن کو قدردان ہاتھوں نے گوہر نایاب سے کم نہیں سمجھا۔ شعراء میں مجرم۔ غنی۔ خواجہ حسن شعری شائق۔ مرزا جویا۔ ملا فایق۔ گویا۔ مرزا طالب کلیم مرزا اقبل۔ کبیری۔ محوی۔ فدا وغیرہ اور مؤرخوں میں خواجہ محمد اعظم۔ میر بابا حیدر۔ خواجہ اسحاق۔ مرزا اکمل الدین بیگ۔ شیخ محمد مراد۔ ملا احمد۔ میر سعد اللہ شاہ آبادی۔ خواجہ امیر الدین پکھلیوال۔ حیدر ملک۔ حسن شاہ وغیرہ نے وہ نام پایا ہے جو علمی دنیا میں آفتاب جہانتاب کیطرح روشن ہے۔ طبقہ علماء و فضلاء میں مولانا میر واعظ مولوی غلام رسول صاحب اور چند ایک اور بزرگوں کے خاندان کی شہرت کشمیر سے پنجاب اور پنجاب سے ہندوستان تک اپنا اثر رکھتی ہے۔ فقراء و اولیا اور مشائخ کے برگزیدہ گروہ میں بھی اس قوم کا نام آسمان تصوف و علم و عمل میں شمس النہار کیطرح کمال پر تھا۔

حضرت مجدد الف ثانی سرہندی اور حضرت میاں میر لاہوری کے مریدان باخلاص میں جو مقبول نظر خلفا تھے ۔ وہ اسی خاک پاک کے تھے ۔ تاریخ کبیر کشمیر بزرگان سادات و مشایخ اور حضرت صوفیائے کرام کے حالات سے مملو ہے ۔ جس کی جلد اول کا حجم ہی ۸۰۰ صفحہ تک ہے ۔

کشمیری شاعرہ عورتیں !

اس زمانہ میں جبکہ کشمیر میں علم و فضل کے دریا بہ رہے تھے ۔ اور کشمیری جوہروں کے قدردان دنیا میں موجود تھے ۔ نہ صرف مردوں ہی کی کثیر تعداد صاحب علم تھی بلکہ اکثر عورتیں بھی زیور علم سے آراستہ تھیں ۔ اور موجودہ زمانہ میں جبکہ کشمیر میں تعلیم کا قحط الرجال ہے ۔ یہ بات غالباً تعجبات اور ناممکنات سے سمجھی جائیگی ۔ اور ہے بھی سچ ۔ کیونکہ یہاں کے مردوں کی موجودہ جہالت و بے علمی یہ باور کرنے کا موقعہ ہی نہیں دیتی ۔ کہ یہاں کبھی مرد تو مرد عورتیں بھی صاحب علم و فضل ہو گذری ہیں ۔ خدا بھلا کرے مؤرخوں کا جو کاغذی پردوں میں ان بوسیدہ ہڈیوں کو چھپا گئے ہیں ۔ اور جو تلاش سے مہیا ہو سکتی ہیں ۔ یہاں صرف خلاصۃً دو عورتوں کا حال درج کیا جاتا ہے ۔ تذکرہ نادر میں لکھا ہے کہ حجاب ایک پردہ نشین کشمیرن کا تخلص ہے ۔ جو معہ اپنے شوہر کے بمبئی میں مقیم تھی ۔ اور جس کی زندگی کا پتہ ۱۲۹۲ سنہ ہجری تک ملتا ہے ۔ علاوہ اُردو نظم کے فارسی میں بھی شعر کہنے کا اُسے ملکہ حاصل تھا ۔ فارسی کلام نہیں ملا ۔ اُردو کا ایک شعر ملا ہے ۔ درج ہے ۔ ف

کیا جانئے بھلا لذتِ دیدار کو اپنی	جب تک کوئی بادیدۂ خونبار نہووے

تذکرہ اختر تاباں میں لکھا ہے کہ بزرگی کشمیر کی ایک شاعرہ کا تخلص ہے ۔ جو جہانگیر کے عہد میں ہوئی ہے پہلے طوایف تھی ۔ پھر تائب ہو کر پردہ نشینی اختیار کی ۔ کہتی ہے

رشتۂ جانم بجائے تار و طنبور بست   مو بمو در نالہ ام گوئی کہ اُستادِ ازل

لکھا ہے کہ چار شاعر اُسکے علم و فضل کی تعریف سن کے ایکدفعہ ملنے آئے ۔ لیکن بار نہ پایا ۔ اسی حال میں کھڑے تھے کہ ایک عرب بچہ آیا اور بے تحاشا اندر چلا گیا ۔ ان کو یہ

ف اگر مجاہدہ اور مجذوبہ کشمیری عورتوں کے حالات دیکھنا ہوں تو تاریخ امیر کبیر ملاحظہ فرمائیے ۔ ۱۲

دیکھکر شرمندگی ہوئی اور بگڑ کر یہ رباعی لکھ بھیجی ۔ ؎

اے شیوۂ کفر و دیں بہم ساختہ	عمر را بوجودِ خود عدم ساختہ
آثار بزرگی زجبینت پیداست	گہ با عرب و گہ بہ عجم ساختہ

بزرگ نے یہ جواب لکھ بھیجا ۔ اور اندر بلا لیا ۔ ؎

روزے کہ نہادیم درین دیر قدم را	گفتیم صلاہست عرب را و عجم را

تعلیم کی موجودہ حالت

جیسا کہ بیان ہو چکا ہے کشمیر میں تعلیم کی موجودہ حالت ہندوستان کے تمام صوبوں سے بڑھکر قابلِ رحم ہے ۔ خاص سرینگر کی آبادی ڈیڑھ لاکھ کے قریب ہے ۔ جسمیں ہندو (یعنی کشمیری پنڈت) بمشکل چالیس پچاس ہزار ہونگے ۔ باقی سب مسلمان ہیں ۔ یہاں دو ہائی سکول ہیں ایک سٹیٹ کا ایک مشن والوں کا ۔ مشن سکول میں تین سو سے کچھ زیادہ طالب علم ہیں ۔ جن میں مسلمان پندرہ بیس سے زیادہ نہیں ہیں ۔ سٹیٹ میں بھی تین چار سو کے قریب طلبا میں سے مسلمانوں کی تعداد پچاس ساٹھ تک بمشکل پہنچتی ہے ۔ سوپور میں جہاں ہندوؤں کی آبادی ایک ہزار اور مسلمانوں کی دس ہزار کے قریب ہے ۔ ایک مڈل سکول ہے ۔ جہاں کل طالب علموں کی تعداد سوا سو تک ہے ۔ جن میں مسلمان طالب علم دس بارہ سے زیادہ نہیں ہیں ۔ بانڈی پورہ میں ایک پرائمری سکول ہے ۔ اس میں بھی مسلمان طلبا بہت کم ہیں ۔ یعنی کل تعداد ۴۸ اور ۸ مسلمان ۔ یہی حال ۔ شوپیاں ۔ بارہ مولا ۔ اسلام آباد ۔ ہندواڑہ ۔ مظفر آباد وغیرہ کا ہے ؟

اس کمی کی وجہ؟

آخر اس کی وجہ کیا ہے ۔ کہ باوجود ۹۵ فیصدی آبادی ہونے کے مسلمان طلبا سکولوں میں خال خال نظر آتے ہیں ۔ کیا فیس کی زیادتی مانع ہے ؟ حضور مہاراجہ صاحب کی رعایا پروری سے ریاست میں تعلیم بالکل مفت ہے ۔ فیس کے لئے ایک پیسہ کا بھی کسی پر بار نہیں ۔ البتہ جہانتک معلوم ہوا ہے اس کی وجہ بظاہر یہ معلوم ہوتی ہے ۔ کہ ۱ ۔ بعض پیر صاحبان کشمیر تعلیم کے ہارج ہیں ۔ ۲ ۔ مسلمانوں کو خود بھی شوق نہیں ۔ ۳ ۔ سکولوں میں مسلمان مدرسوں کی کمی ہے ۔ کشمیر میں پیر صاحبان

کی اس قدر کثرت ہے۔ کہ کوئی محلہ اور کوئی کوچہ ان سے خالی نہیں۔ بزرگانِ قوم کا وجود نہایت مبارک ہے۔ مگر اُس صورت میں جب اُن کا علم باعمل اور اُن کا وجود قوم کے لیئے مفید وکارآمد ہو۔ مگر یہاں کے بعض پیر صاحبان جن کا وسیلۂ رزق محض مریدوں کی جہالت وبے علمی ہے۔ تعلیم ایسی ضروری چیز کے سخت مخالف ہیں۔ کیونکہ وہ سمجھتے ہیں کہ اگر ہمارے مُرید پڑھ گئے۔ اور اُنہوں نے عقل وتمیز سے کام لینا شروع کیا۔ تو ہمارے تعویذوں اور گنڈوں کو کون پوچھیگا۔ بعض پیر صاحبان نہایت روشن ضمیر ہیں اور چاہتے ہیں کہ کسیطرح یہاں کے مسلمان بھی علم ایسی نعمت سے بہرہ ور ہوجائیں۔ مگر افسوس ہے کہ ان کی تعداد بہت کم ہے۔ اسکے علاوہ سب سے بڑی مصیبت یہ ہے کہ مسلمانوں میں خود بھی تعلیم کا شوق بالکل کم بلکہ بمنزلہ نفی کے ہے۔ جب مُفت تعلیم ہونے کی صورت میں ان لوگوں کو اپنا نفع نقصان نہیں سوجھتا۔ اور اسوقت جبکہ دنیا کی مُردہ قومیں بھی ہوش میں آرہی ہیں۔ یہ لوگ اس نعمت عظمیٰ سے محروم رہے جاتے ہیں۔ تو پھر کس وقت یہ بدقسمت لوگ خواب غفلت سے بیدار ہونگے حقیقت یہ ہے کہ مسلمانان کشمیر میں بالعموم غیرت اور جوش مطلق نہیں ہے۔ قومی احساس سے یہ بالکل بے بہرہ ہیں۔ دیکھتے ہیں کہ ایک ایسی قوم جو ہمارے ہی ملک اور ہمارے ہی وطن کی ہے۔ محض تعلیم کی بدولت باوجود تعداد میں تھوڑی ہونے کے چاروں طرف پھیلی ہوئی ہے۔ اور معزز عہدوں پر ممتاز ہے۔ مگر باوجود دیکھنے کے آنکھوں پر کچھ پردہ سا چھایا ہوا ہے۔ جس حال میں ہیں اُسی میں مست ہیں۔ اور اُسی کو غنیمت سمجھ رہے ہیں۔ مسلمان طلبا کی کمی تعداد کی تیسری وجہ بھی وزن دار ہے۔ بعض مسلمانوں کو شکایت ہے کہ سرکاری مدرسوں میں چونکہ مسلمان اُستاد نہیں ہیں۔ اس لیئے مسلمان طالب علم نہ خود ہی پڑھنا چاہتے اور نہ اُن کے والدین ہی پڑھانا چاہتے ہیں۔ اور دبی زبان سے یہ شکایت بھی سُنی گئی ہے۔ کہ غیر قوم کے اُستاد بھی کچھ ایسی شفقت ومحبت سے پیش نہیں آتے۔ جو مہربان اُستاد کا حق ہونا چاہیئے۔ ابھی چونکہ بدقسمتی سے اکثر خود غرض پیروں کا کشمیر میں زور ہے۔ اس لیئے عام لوگ اُن کے قبضۂ اختیار میں ہیں۔ یہی حال ابتدا میں پنجاب

میں بھی تھا۔ مگر زندہ دلان پنجاب نے ایسے خود غرض علماء اور پیران ابن الدرہم سے بہت جلد مخلصی حاصل کرلی۔ غرض مسلمانوں کے تالیف قلوب اور ان کو بذریعہ تعلیم انسان بنانے کے لئے یہ ضروری ہے۔ کہ ہر مدرسہ میں ایک دو مسلمان اُستاد بھی رکھے جائیں۔ اس میں مندرجہ ذیل فواید مدنظر ہیں۔ مسلمان اُستاد مسلمان طالب علم یا اُس کے والدین کو آسانی سے تعلیم کے فوائد سمجھا سکتا ہے۔ مسلمان اُستاد علاوہ اُردو وغیرہ کے عربی بھی پڑھا سکتا ہے۔ مسلمان اُستاد بہ نسبت کسی اور اُستاد کے مسلمان طالب علم کے ساتھ زیادہ ہمدردی اور شفقت سے پیش آئیگا۔ اور اُس کو مسلمان طلبا کی کثرت دیکھکر قدرتاً خوشی محسوس ہوگی ؛

مدرسہ نصرۃ الاسلام سرنگر

چنانچہ اس کی ایک زندہ نظیر مدرسہ نصرت الاسلام سرنگر میں موجود ہے۔ جو مسلمانان کشمیر کے دلی ہمدرد و محسن مولانا غلام رسول صاحب میر واعظ کی کوشش سے چند سال سے جاری ہے۔ اس مدرسہ میں تمام اُستاد مسلمان ہیں۔ بالخصوص منشی صادق علی خاں صاحب ہیڈ ماسٹر کی قومی ہمدردی۔ لیاقت اور قابلیت سے آج تمام ہندوستان واقف و آگاہ ہے۔ اس مدرسہ میں معہ اس کی مقامی دو شاخوں کے پانچ سو کے قریب طالب علم ہیں۔ حالانکہ دیگر مقامی سکولوں میں جو سالہا سال سے جاری ہیں۔ یقیناً پچاس سے زاید نہیں ہونگے۔ اس کی وجہ جہانتک خارجی طور پر معلوم ہوسکتی ہے یہی ہے کہ اُستاد مسلمان ہیں۔ اور وہ بہ نسبت دوسروں کے اپنے ہم قوم و ہم مذہب طالب علموں کو زیادہ شفقت و دلسوزی سے پڑھاتے ہیں۔ جب تک ریاست سطرف توجہ نہیں کرتی۔ انجمن نصرت الاسلام کو چاہئے۔ کہ وہ اسلام آباد کیطرح دیگر اور مشہور مقامات بارہ مولا۔ سوپور۔ شوپیان۔ مظفر آباد وغیرہ میں بھی اپنی شاخیں قایم کردے۔ اور سب سے زیادہ مناسب یہ ہوگا کہ مولانا میر واعظ صاحب اور مولانا سید انور شاہ صاحب خود مسلمانوں کو بیدار کرنے کے لئے کمر ہمت باندھیں۔ تمام کشمیر کا دورہ کریں۔ اور اپنی جادو بیانی اور سحر الکلامی سے مسلمانان کشمیر کو تعلیم کے فواید قومی ضروریات اور رفتار زمانہ سے آگاہ کریں۔ اس قومی سفر میں نہ صرف مسلمان طلبا ہی پرائیوٹ یا سرکاری سکولوں میں

کثرت سے نظر آئینگے۔ بلکہ انجمن کو بھی بہت بڑی مالی امداد حاصل ہو گی ؛

پیر پرستی اور زیارتیں!

زیارتوں (مقبروں) کی کشمیر میں اتنی کثرت ہے کہ غالباً کوئی محلہ ان سے خالی نہ ہوگا۔ خانقاہ معلیٰ (شاہ ہمدان) موئے مبارک پیر دستگیر حضرت بل شیخ حمزہ مخدوم کشمیری شیخ نورالدین ولی وغیرہ پر زائرین کا ہجوم غفیر رہتا ہے۔ یہاں مُرادیں مانتے ہیں۔ نذریں دیتے ہیں۔ اوران زیارتوں کو دین و دنیا کا بادشاہ تصور کرتے ہیں۔ قبر پرستی عموماً مسلمانوں میں رائج ہے۔ مگر جو کثرت اور عقیدت کشمیر میں ہے۔ غالباً کسی جگہ نہ ہوگی۔ اس کی نظیر کے لئے ایک چھوٹی سی مثال پیش کی جاتی ہے ایک شخص کو میں نے کہا کہ تم پڑھے لکھے معلوم ہوتے ہو۔ انجمن نصرت الاسلام کا جلسہ ہے تم وہاں کیوں نہیں گئے۔ وہ جواب دیتا ہے کہ حضرت! وہاں کوئی زیارت تو ہے نہیں جاکر کیا کریں۔ اس پر لطف یہ ہے کہ شاہ ہمدان رح اور حضرت غوث الاعظم رح کے روضۂ مقدسہ تک کشمیر میں نہیں ہیں صرف اتنا لوگوں کو معلوم ہے کہ وہ ایک مرتبہ فلاں فلاں مقام پر بیٹھے تھے۔ یا اُنہوں نے وضو کیا تھا۔ یا بعض بزرگوں کے موئے مبارک ہی کہیں سے دستیاب ہوگئے۔ تو اُسی کو زیارت بنالیا۔ اگر درحقیقت ان بزرگوں کا روضہ بھی یہیں ہوتا تو یہ لوگ شاید خدا کو بھی بھول جاتے۔ پیر پرستی بھی قبر پرستی سے کچھ کم نہیں ہے۔ یہاں گھر گھر اور محلہ محلہ پیر موجود ہے۔ پیروں کا کام یہ ہے کہ وہ مریدوں کو صراط المستقیم کی ہدایت دیں۔ اور دین کے حاصل کرنے کا ایسا طریقہ اُن کو بتائیں جس سے دُنیا بھی ہاتھ سے نہ جائے۔ مگر افسوس ہے کہ باستثنائے چند اکثر پیر صاحبان سوائے نذر نیاز لینے اور دعوتیں کھانے کے کسی مصرف کے نہیں ہیں۔ اُدھر بدقسمتی سے مریدوں کی عقیدتمندی کا یہ حال ہے کہ پیر صاحب کی بات کو وحی سے کم نہیں سمجھتے۔ موجودہ زمانہ میں پیروں اور علمایان قوم کا پہلا کام یہ ہونا چاہیئے تھا کہ وہ اپنے مریدوں اور عقیدتمندوں کو تعلیم حاصل کرنے کی ترغیب دیتے۔ اور خود بھی سمجھتے۔ اور لوگوں کو بھی سمجھاتے کہ کشمیر کے دس لاکھ کشمیری مسلمان بوجہ تعلیم و تہذیب نہونے کے اپنے ہم قوم پچاس ساٹھ ہزار پنڈتوں کا مقابلہ نہیں کرسکتے۔ مقابلہ سے مراد

جنگ و جدل نہیں ہے۔ بلکہ مقابلہ ہے ترقی ملازمت اور تعلیم و زمانہ شناسی کا تاہم غنیمت ہے کہ میر یوسف شاہ صاحب ہمدانی خانقاہی کی تحریک سے شاہ ہمدان کی زیارت کے مقابل ہی ایک اور اسلامی مدرسہ جاری کیا گیا ہے۔ اس مدرسہ کی بنیاد حسن خلوص سے رکھی گئی ہے۔ اُمید ہے کہ اُس سے نیک نتائج ظاہر ہونگے +

ماہ رمضان اور عید

کشمیر میں اکثر لوگ کچھ عادتاً اور کچھ بوجہ سُستی وکاہلی سحری کا کھانا نہیں کھاتے۔ بعض لوگ صرف قہوہ وغیرہ پی لیتے ہیں۔ بعض رات کے پس ماندہ بھت (چاول) پر ہی گذارا کرتے ہیں۔ البتہ افطاری ان کی شان وشوکت سے ہوتی ہے خاص قسم کی قریباً ایک فٹ لمبی مستطیل روٹیوں کے ساتھ بڑے بڑے طباق میں فرنی لاتے ہیں۔ پھر قہوہ اور کلچہ پر نوبت آتی ہے۔ کوئی دو گھنٹہ کے وقفہ کے بعد دسترخوان بچھایا جاتا ہے۔ جس میں بھت (چاول) کثرت سے بالخصوص گوشت افراط سے ہوتا ہے رات کا کھانا یہاں دیر سے کھایا جاتا ہے جو کسی نووارد مہمان کے لئے مصیبت سے کم نہیں عید کے دن لوگ عموماً اپنے شہر یا قصبہ کے روسا، اور ناموروہر دلعزیز لوگوں کے پاس پھل پھول کا تحفہ یا بعض صرف تحفہ سلام ہی لیکر جاتے ہیں۔ صاحب مکان کی طرف سے تمام آدمیوں کو (خواہ وہ تعداد میں کسقدر ہوں) ایک ایک کلچہ اور قہوہ کی پیالی ملتی ہے۔ عورتیں اور لڑکیاں اس تمام مہینے میں کھانا کھا چکنے کے بعد ہر رات کو خوشی کے گیت گاتی رہتی ہیں۔ ان کے گانے کا انداز بالکل نرالا ہے۔ چار چار پانچ پانچ لڑکیوں کی جن میں اکثر جوان بھی ہوتی ہیں۔ تین چار جماعتیں بنتی ہیں۔ دو جماعتیں ایک دوسرے کے گلے میں باہیں ڈالکر ایک طرف کھڑی ہو جاتی ہیں۔ اور اُن کے مقابل اسی طرح اور اسی انداز سے دوسری جماعتیں پہلے ایک قطار بلند آواز سے گانا شروع کر کے دو چار قدم بالمقابل جماعت کی طرف بڑھتی ہے۔ اور پھر اسیطرح دوسری جماعت اُس کی طرف بڑھتی ہے۔ بجنسہ یہ ایسا سین ہے جیسا تھیٹروں میں چھوٹے چھوٹے بچے پریوں کا چمکدار لباس پہنکر بالمقابل جماعتوں میں گاتے اور ایک دوسرے کیطرف بڑھتے ہیں۔ فرق صرف یہ ہے کہ اُن کے ہاتھوں میں معدود سوٹیاں (جنکو

ایک دوسرے پر مارنے سے نہایت لطیف آواز نکلتی ہے۔ اور پاؤں میں گھنگرو اور لباس صاف اور ستھرا ہوتا ہے۔ عید کے دن نماز عید سے پہلے ایک ایک محلہ کی لڑکیاں کسی ایک گھر کے صحن میں جمع ہو کر یہ گیت اسی دلآویز انداز سے گاتی ہیں۔ جس کا اوپر ذکر ہو چکا ہے ؎

عید آئی رسہ رسہ	عید گاہِ وس ووٹے	عید گاہ وس ووٹے
عید آہستہ آہستہ آرہی ہے	عیدگاہ کی طرف چلو	عید گاہ کی طرف چلو

نماز عید کے بعد رات کے آٹھ نو بجے تک یہ ترانہ سنائی دیتا رہا ؎

عید گئی رسہ رسہ	یار کون آموٹے	یار کون آموٹے
عید آہستہ آہستہ چلی گئی	میرا یار کیوں نہیں آیا	میرا یار کیوں نہیں آیا

عید کے دن اکثر بڑی عورتیں بھی چھوٹی اور نوجوان لڑکیوں کے ساتھ گانے میں شامل ہو جاتی ہیں۔ جس محلہ اور جس گلی میں جاؤ "رسہ رسہ" اور "وا لو۔ لو" کے نعروں سے آسمان گونج رہا ہوگا۔ بلکہ بعض لڑکیاں تو دیہاتوں اور قصبوں سے باہر نکل کر کھلے میدان میں گاتی رہتی ہیں۔ عید کے دن عموماً مسلمان مرد۔ عورت۔ لڑکیاں۔ لڑکے بلا تمیز سن وسال جوا کھیلتے ہیں۔ غرض یہ مبارک مہینہ اور متبرک دن کشمیر میں نہایت خوشی و شادمانی کے ساتھ منایا جاتا ہے ؏

واہ واہ ۔۔۔

کشمیر کی دینداری باوجود اُن معائب و نقائص کے جو کشمیریوں میں عام طور پر پائے جاتے ہیں۔ یہ بات کسی قدر باعث طمانیت ہے۔ کہ یہاں کے تمام باشندے بلا تفریق مذہب اپنی عبادات و اعتقادات کے پورے پابند ہیں۔ نماز روزہ اور پوجا پاٹ کے شغل بہ جبر و اکراہ نہیں بلکہ بہ شوق و دلی ادا کرتے ہیں۔ مگر اس طمانیت کے ساتھ کچھ افسوس بھی ہے وہ یہ کہ تعصب و حسد نے ان کو کئی فرقوں اور پارٹیوں پر منقسم کر دیا ہے۔ کشمیر کے شیعہ سنیوں کی باہمی عداوت اور فتنہ پردازیاں خاص طور پر مشہور ہیں۔ آئینہ کشمیر میں ان کی خوش اعتقادی۔ عبادت۔ اور باہمی نفاق کا جو تذکرہ ہے اُس میں سے صرف تین شعر ہدیۂ ناظرین کئے جاتے ہیں ؎

ہراک جا پہ ہے اک تیرتھ جدھر دیکھو زیارت ہے — بہت خوش اعتقاد انکو بہت ہی باخدا دیکھا
نمازیں اور پوجائیں فرشتوں کی سی ہیں انکی — اثر باقی نہ مسجد سے مگر باہر فرا دیکھا
عداوت اور نفاق باہمی ہے اسقدر ان میں — عدو بھائی کا بھائی اور بیٹا باپ کا دیکھا

زمینداروں کی حالت

زمینداروں[1] اور زراعت پیشہ لوگوں کی حالت یوں تو تمام ہندوستان میں قابل رحم ہے۔ مگر کشمیر کی حالت سب سے زیادہ افسوسناک اور درد انگیز ہے پچاس فیصدی بلکہ اس سے بھی زیادہ ایسے زمیندار ہیں۔ جن کے پاس بیس پچیس روپیہ نقد تو کہاں ہوں گے۔ اگر کوئی مہمان آجائے۔ تو اس کے لئے فالتو کپڑا اور بسترہ اور خوراک تک میسر نہیں ہوسکتی۔ یہاں کے زمینداروں کو ریاست سے اتنی شکایت نہیں ہے۔ جتنا رونا وہ غلہ داروں اور کوٹھی داروں کے مظالم اور سختی کا رویا کرتے ہیں۔ زمینداروں کو چونکہ معاملہ دینے کے لئے روپیہ کی ضرورت ہے۔ اور روپیہ کا ادھر یہ حال ہے کہ چیل کے گھونسلے میں ماس کہاں۔ لامحالہ ان کو کوٹھی داروں کیطرف رجوع کرنا پڑتا ہے۔ کوٹھی دار روپیہ نہ سود پر دیتے ہیں نہ کسی نقدی منافعہ پر۔ بلکہ بجائے سود یا نقدی منافعہ کے جنس لیتے ہیں اور وہ بھی فی خروار (۲ من چار سیر) شالی عہ/۔ حالانکہ یہی شالی بازار میں اس سے دوگنی اور سہ گنی قیمت پر فروخت ہوتی ہے۔ مگر چونکہ زمیندار مجبور ہوتے ہیں اس لئے کوٹھی دار اپنے حسب خواہش ان سے اقرارنامے لکھوا لیتے ہیں۔ جس حساب سے کوٹھی دار زمینداروں سے غلہ لیتے ہیں وہ نرخ حسب ذیل ہے شالی فی خروار عہ/۔ جو عہ/۔ عہ/ فی خروار۔ گندم فی خروار ۳ ر روپیہ۔ السی فی خروار صہ ر روپیہ۔ مکی فی خروار عہ/۔ عہ/ مونگ للعہ/ ئی خروار گنجد فی خروار مــعہ/ کوٹھی دار (جن میں ایک یوروپین کمپنی بھی ہے) اس جنس کو بازار میں دوگنے اور سہ گنے داموں پر فروخت کرتے ہیں۔ پنجاب میں بھی بعض بدنصیب زمیندار ایسے ہیں کہ جن کا نام ایک دفعہ خوش قسمت مہاجن کے بہی کھاتہ پر لکھا جا چکا ہے۔ پشتہا پشت تک مٹتے ہی نہیں

[1] زمیندار بھی تمام مسلمان ہی ہیں؟

آنا۔ اور ایسے زمیندار کو مہاجن لوگ "اسامی" کہتے ہیں۔ یہی حال کشمیر میں بھی ہے۔ ایک شخص کو معاملہ کے لئے روپیہ کی ضرورت ہے۔ وہ کوٹھی دار سے روپیہ لیتا ہے۔ اور لکھ دیتا ہے کہ فصل پر فی خروار عہ کے حساب سے شالی دونگا۔ فصل کی پیداوار اسی خروار شالی ہے۔ جو تمام کی تمام کوٹھی دار لے جاتا ہے۔ اب زمیندار کے پاس کھانے تک کو بھی نہیں مجبوراً کوٹھی دار سے اَور روپیہ لیتا ہے۔ اور یہ سلسلہ اسیطرح چلا جاتا ہے۔ کوٹھی دار عموماً غلہ جمع رکھتے ہیں اور جب سمجھتے ہیں کہ اب قحط کے آثار ہیں۔ تو من مانگے داموں پر فروخت کرتے ہیں۔ ایسے ہی کوٹھی داروں کو ۱۸۷۸ء کے عظیم قحط میں دیوان اننت رام صاحب مدارالمہام نے سخت ترین سزائیں دی تھیں۔ زمینداروں نے عہ کے حساب سے جو شالی کوٹھی داروں کو دی تھی چند دنوں کے بعد وہی شالی انکو اڑھائی تین روپیہ فی خروار لیکر کھانی پڑتی ہے۔ کوٹھی دار خاص کشمیر کے بھی ہیں مگر زیادہ تر پنجابی ہندو ہیں سو دیہان سو رسی لیکے روپیہ کیا ہے

کشمیر کی بیگار بمصداق "مرتے کو ماریں شاہ مدار" اس پر بیگار کی سختی اَور بھی ان غریبوں کا کچومر نکال دیتی ہے۔ اُدھر فصل تیار ہے۔ کاٹنے کے دن آرہے ہیں۔ اور اُدھر بیگار میں پھنسے ہوئے ہیں۔ میرا ایک چشم دید واقعہ ہے کہ میں اپنے ایک معزز ہمراہی کے ساتھ کشتی میں ڈل کی سیر کر رہا تھا۔ ہانجیوں کی ضرورت ہوئی۔ ایک گاؤں سے پانچ سات ہانجی پکڑ لئے گئے۔ جن میں ایک غریب کی اُسی دن شادی ہونیوالی تھی۔ اور بیاہ کی تیاریاں ہو رہی تھیں۔ اور غالباً یہ سب ایک ہی محلہ یا کنبہ کے تھے۔ جو اسی تقریب پر جمع ہوئے تھے۔ آخر یہ پانچ چار کوس کے فاصلہ پر جبکہ ایک اَور گاؤں سے اسی قدر ہانجی مل گئے۔ چھوڑ دیئے گئے۔ بیگار کی مزدوری (غالباً صرف) خوراک ہی ہے باشندگان کشمیر پر الزام لگایا جاتا ہے۔ کہ اُن میں جرأت اور دلیری نہیں ہے۔ اس کے جواب میں مکرمی پیرزادہ محمد حسین خاں صاحب عارف جج ہائی کورٹ کشمیر کے آئینہ کشمیر سے مندرجہ ذیل صرف دو شعر ہی پیش کئے جاتے ہیں۔ آپ طغیانی آتشزدگی اور دیگر آفات کشمیر کے ذکر کے بعد فرماتے ہیں ؎

مگر وہ ظلم جس نے اُن کو کر ڈالا ہتہ بالکل	وہ بیگاروں ہیں جانیکا ہر اک دم خرخشا دیکھا

شکستیں وہی تھیں جن لوگوں نے اکبر کی بھی شہروں کو	شفاؤں سے اب اولادوں کو انکی بھاگتا دیکھا

سابقہ مظالم کی ایک زندہ یادگار

میں نے اکثر مرتبہ دیکھا کہ جب کبھی میں سیر کو یا بغرض سفر مکان سے باہر نکلا۔ تو کشمیر کی پریرویان باعصمت مجھے دیکھکر اور رستہ چھوڑکر دس بارہ قدم کے فاصلہ پر الگ جا کھڑی ہوتی تھیں۔ ایک دفعہ میں گوری پورہ سے موضع شوہ (اہاغ کو) جا رہا تھا۔ رستے میں سامنے سے دو جوان لڑکیاں ہنستی کھیلتی آ رہی تھیں۔ جونہی انکی نظر مجھ پر پڑی۔ اُن میں گھبراہٹ سی پیدا ہوگئی۔ اور حالانکہ ابھی فاصلہ بیس پچیس قدم کا تھا۔ وہ رستہ چھوڑکر دُور جا کھڑی ہوئیں۔ یہاں کی عورتیں پردیسیوں سے جن کی زیادہ تر پہچان اُن کا لباس ہے بہت ڈرتی ہیں۔ جہانتک میں نے غور کیا۔ اور جیسا کہ بعض لوگوں کی زبانی بھی معلوم ہوا۔ اس کا باعث یہ ہے۔ کہ زمانہ حکومت افاغنہ اور عہد سکھاں میں رعایائے کشمیر پر نہایت سختی ہوتی تھی۔ چنانچہ جمعدار خوشحال سنگھ کے مظالم سے تاریخیں بھری پڑی ہیں۔ چونکہ ان اجنبی حکومتوں کے قایم مقاموں کو کشمیر سے سوائے لوٹ مار اور غارتگری کے اور کوئی دلچسپی نہ تھی۔ اس لئے رعایائے کشمیر بالخصوص عورتوں کیلئے وہ زمانہ نہایت نازک اور خوفناک تھا۔ بعض سکھوں اور افغانوں کے مظالم یہاں اسقدر مشہور و زبان زد ہیں۔ کہ سنکر رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں۔ ایک شخص نے بیان کیا۔ کہ پچھلے زمانہ میں تحصیلدار تو کجا اگر تحصیل کا چپڑاسی بھی کسی گاؤں میں آجاتا تھا۔ تو اہل دیہ کے نزدیک وہ دن قیامت سے کم نہیں ہوتا تھا۔ ہر ایک کو نفسی نفسی کی پڑجاتی تھی۔ چپڑاسی گاؤں میں داخل ہوتے ہی بدنصیب نمبردار کو اپنی پیشی میں بلواتا اور آنکھیں نکال کر کہتا کہ تم کو خبر نہیں تھی کہ ہم آرہے ہیں۔ لاؤ کچھ ہمارے کھانے کے لئے۔ اور یہ کہکر دو چار رسید بھی کر دیتا۔ نمبردار ایک سالم بکرا اُس کے سامنے ذبح کرتا۔ اُس کا چمڑا اُتروا ڈالتا۔ اور گوشت کو اندر سے صاف کراکے اسمیں نمک مرچ مصالحہ وغیرہ بھر کر آگ کے انبار میں ڈال دیتا۔ جب گوشت خوب پک جاتا۔ تو اُس کے ٹکڑے کر کے چپڑاسی صاحب کے آگے رکھے جاتے۔ غرض چپڑاسی کسی کو گالی کسی کو جوتا۔ انعام دیکر اور کچھ رقم اینٹھ کر تشریف لیجاتے۔ اور گاؤں والے شکر کا کلمہ پڑھتے۔ ان باتوں کو یاد کرکے اب بھی اہل کشمیر کانپ اٹھتے

ہیں، سانپ کا کاٹا رسّی سے ڈرتا ہے - وہی خوف ان (بالخصوص دیہاتی لوگوں) کے دلوں میں ابتک موجود ہے - مگر اب یہ وحشت بہت کچھ دُور ہوگئی ہے - اور اکثر لوگ اجنبیوں سے مانوس ہو چکے ہیں اور ہو رہے ہیں بعض موجودہ شادیاں جو کشمیریوں اور پنجابیوں کے درمیان ہوئی ہیں اس کی روشن دلیل ہیں +

بعض مسلمان اقوام کشمیر کی تشریح

جسطرح ہندوستان میں چار قسم کے مسلمان آباد ہیں یعنی سیّد - مغل - پٹھان - شیخ - یہی تقسیم یہاں بھی ہے - کشمیر میں ذاتیں بے شمار ہیں (اور غالباً سولہ سترہ سو کے درمیان ہیں ان کی فہرست بھی میرے پاس موجود ہے) مگر افسوس ہے کہ دوران سفر کشمیر میں صرف چند ہی ذاتوں کی تشریح معلوم ہو سکی - اگر خدا نے خیریت رکھی تو تمام ذاتوں کی تشریح و کیفیت دریافت کر کے الگ کتاب کی صورت میں شائع کیجائیگی +

سادات یہ لوگ سلاطین کشمیر کے عہد میں کچھ تو بوجہ زیادتی وسختی امیر تیمور اور کچھ شاہان کشمیر کی قدردانی اور سرپرستی کے باعث کشمیر میں آئے - اور ایسے آئے کہ یہیں کی بُود و باش اختیار کر لی - ان کے پاس ان کا شجرہ نسب (جیساکہ مصنف تاریخ حسن کا بیان ہے) ابتک موجود ہے - مصنف تاریخ حسن[1] لکھتا ہے - کہ ان لوگوں میں سے جن کا طریقہ ابھی تک پیری و مریدی ہے - اُن کی سیادت و شرافت قابل اعتبار ہے - اور جنہوں نے یہ سلسلہ چھوڑ کر کوئی اور کام اختیار کر لیا ہے - اُن کی سیادت قابل اعتبار نہیں ہے - (یہ عجیب منطق

---

[1] تاریخ حسن غیر مطبوعہ ہے اسکی نقلیں اکثر لوگوں کے پاس کشمیر میں موجود ہیں - مصنف اس کے پیرزادہ حسن شاہ صاحب تھے - جن کا انتقال ۱۳۱۶ھ کو ہوا - تاریخ حسن ۱۳۰۱ھ میں لکھی گئی تھی - سُنا ہے کہ سر والٹر لارنس صاحب سابق کمشنر بندوبست کشمیر نے اس کے صلہ میں مصنف کو کشمیر سے کچھ زمین بھی دلائی تھی - تاریخ فارسی میں ہے - اور نہایت معتبر بیان کی جاتی ہے میرے مطالعہ سے بھی گذر چکی ہے +

ہے کہ خاندانی شرافت پیری مریدی ہی سے منسوب ہو۔ تو قایم رہتی ہے۔ آج بفضل خدا کئی سیدزادے معزز عہدوں پر ممتاز ہیں۔ اور پیری مریدی سے کنارہ کش ہیں بلکہ اسکو معیوب جانتے ہیں۔ کیا اس طریق سے اُن کی شرافت بھی جاتی رہی۔ کیا سیدوں کیلئے تجارت۔ ملازمت یا کوئی اور کام کرنا منع ہے۔ کشمیر کو پیری مریدی کی تقلید اور خام خیالی نے درحقیقت تباہ کر دیا ہے۔ کشمیر میں جسقدر پیر ہیں غالباً تمام ہندوستان میں نہ ہونگے (

سادات آٹھ طریقوں پہ منقسم ہیں۔ قادریہ۔ نقشبندیہ۔ اندرابیہ۔ منطقی وبیہقی۔ دہ بندی۔ ووداریکی۔ ہمدانیہ۔ سادات متفرقہ۔ سادات متفرقہ میں وہ سید ہیں۔ جو مختلف دیار وامصار سے یہاں آکر آباد ہوئے۔ ان میں سے اکثر زمینداری بھی کرتے ہیں ؛

مغل یہ گروہ خراسان اور ترکستان سے آکر بعہد سلاطین کشمیر یہاں آباد ہوا۔ ممکن ہے اس گروہ میں بھی بہت سی ذاتیں ہوں۔ مگر مندرجہ ذیل سات ذاتوں کی کیفیت معلوم ہو سکی ہے۔ میر۔ لفظ میر دراصل میرزا کا مخفف ہے۔ عوام نے میرزا سے میر بنا لیا۔ یہ لفظ سادات اور مغلوں میں مشترک ہے۔ فرق یہ ہے۔ کہ سادات کے ناموں کیساتھ اول آتا ہے جیسے میر کرامت اللہ۔ میر نعمت اللہ۔ اور مغلوں کے نام کے بعد میں آتا ہے۔ جیسے غفار میر۔ عزیز میر۔ لیکن بعض مغلوں کے نام کے پہلے بھی ازروئے تعظیم لکھا اور بولا جاتا ہے۔ جیسے میرزا ذک قادری۔ بیگ۔ یہ لوگ سلاطین کشمیر یا شاہان چغلیہ کے زمانہ میں یہاں آئے اور یہیں کے ہو رہے۔ اُس زمانہ میں ان میں سے اکثر لوگ رئیس اور منصب دار تھے۔ مگر انقلاب زمانہ سے اب ان کی حالت بہت کچھ تبدیل ہوگئی ہے۔ اور اکثر لوگ پیشہ وری اور ملازمت کرتے ہیں۔ بانڈے۔ شاہان چغتیہ کے عہد میں یہ لوگ ترکستان سے اس بے نظیر خطہ میں داخل ہوئے۔ اور ایک عرصہ تک صاحب ثروت وحکومت رہے۔ موضع بانڈا پورہ (غالباً بانڈی پورہ سے مراد ہوگی جو سوپور سے ۱۸۔۱۷ میل کے فاصلہ پر ہے) ان کو جاگیر میں ملا اور اسی نام سے موسوم ہوئے۔ دوسری تحقیق یہ ہے کہ سلاطین کشمیر نے بباعث بغاوت وسرکشی ان لوگوں کو بر عنال میں گرفتار کر لیا۔ اور چونکہ باصطلاح کشمیریان قیدی کو باندی کہتے ہیں۔

اور قید خانہ کو باندوانہ کہتے ہیں اس لئے تغیر زبان سے باندے سے بانڈے مشہور ہوگیا۔ بچھ۔ ان کے اجداد بھی بعہد سلاطین کشمیر ترکستان سے یہاں آئے اور موضع بچھ پورہ میں جاگیر حاصل کرنے کے باعث اسی نام سے مشہور ہوگئے۔ گانی۔ کہتے ہیں کہ ان کے جد اعلیٰ محال کورگان سے (معلوم نہیں یہ محال کس ملک میں ہے) یہاں آکر آباد ہوگئے۔ اہل کشمیر نے جو نام کا اختصار کرنے اور بگاڑنے میں بہت مشہور ہیں۔ کورگان کو آہستہ آہستہ گانی بنا دیا اور وہ اسی نام سے مشہور ہوگئے۔ کنٹ۔ ان کا ایک بزرگ بنام خواجہ حسین کابلی اکبر بادشاہ کے عہد میں قلعہ ناگرنگر واقعہ کشمیر کا منصرم و مہتمم تھا۔ شہنشاہ نے جب قلعہ کا ملاحظہ کیا۔ تو خوش ہوکر ایک عدد کنٹھہ معہ خلعت شاہی عطا فرمایا۔ اہل کشمیر کی زبان پر کنٹھہ سے کنٹ ہوگیا +

پٹھان — یہ لوگ شاہان افاغنہ کے عہد میں کابل سے آکر کشمیر میں متوطن ہوئے۔ یہ دو فرقوں پر منقسم ہیں۔ ایک خان۔ دوم خیبری۔ دوسرا فرقہ زیادہ تر علاقہ لولاب میں آباد ہے۔ خان کا لفظ اب یہاں ایسا عام ہوگیا ہے۔ کہ رذیل لوگ مثل ملاح و ہانجی وغیرہ اور بعض نسوار فروش بھی جو کابل اور پشاور کیطرف بسلسلہ تجارت جاتے رہتے ہیں۔ اپنے نام کے ساتھ استعمال کر رہے ہیں +

قبائل اقوام شیخ — اصلی باشندگان کشمیر جو سلاطین کشمیر کے عہد میں مشرف بہ اسلام ہوئے ہیں۔ وہ شیخ کہلاتے ہیں اس قوم کی کشمیر میں بہت بڑی تعداد ہے۔ اور اکثر قومیں اسی عظیم الشان فرقہ کی شاخیں ہیں۔ جن میں سے چند ذاتوں کی کیفیت جو معلوم ہوسکی ہے۔ درج ذیل ہے۔ پیرزادہ۔ جمیع اقوام شیخ سے پیرزادہ سب سے اول درجہ پر ہے۔ قبولیت اسلام کے بعد یہ فرقہ چونکہ خداپرستی اور مریدی و پیری میں خاص طور پر منہمک رہا۔ اس لئے کثرت سے لوگ ان کے معتقد ہوگئے۔ اس قوم کے اکثر لوگ متبرک مقامات اور زیارات کے متولی ہیں۔ سادات سے بھی ان کی قرابت ہے۔ بابا یا شاہ۔ دراصل یہ کسی ذاتی قبیلہ کا نام نہیں ہے۔ بلکہ لقب عام ہے۔ جو اعمال و افعال پر موقوف ہے اعمال صالحہ و افعال شائستہ ہوں تو شاہ یا بابا کہلائے جاتے ہیں۔ رفتہ رفتہ اب

بغیر اعمال و افعال کے یہی نام ایک خاص قبیلہ کا ہو گیا ہے۔ پیرزادگان کو بھی پہلے بابا ہی کہتے تھے۔ مگر اب لوگ بابا کی بجائے شاہ کا لفظ زیادہ پسند کرتے ہیں۔ اور یہ رواج یہاں تک عام ہو گیا ہے۔ کہ ہر شخص فقیرانہ کپڑے پہنکر شاہ کہلا سکتا ہے۔ ڈار وغیرہ زمینداران کشمیر میں مندرجہ ذیل آٹھ قومیں ماگرے۔ تانترے۔ نائک۔ ڈار۔ بٹ۔ لون۔ راٹھر بعہد راجگان کشمیر صاحب سیف و سنان اور نہایت جوانمرد گذری ہیں۔ کئی دفعہ انہوں نے بغاوت اور فساد کر کے ریاست کو درہم برہم کر دیا۔ ان کے کارناموں سے کشمیر کی قدیم تاریخیں بھری پڑی ہیں۔ یہ سب قومیں جب پہلے کھتری قوم سے تھیں۔ سلاطین کشمیر کے عہد میں مسلمان ہو گئیں اور اسلام کے بعد بھی اپنے اصلی نام سے موسوم ہوئیں۔ راجگان کشمیر کے عہد سے سلاطین مغلیہ کے زمانہ تک ان کے بزرگ صاحب حکومت ورئیس گذرے ہیں۔ اب ان کا بہت بڑا حصہ زراعت پیشہ ہے۔ **مولوی**۔ یہ بھی کوئی قبیلہ نہیں ہے۔ علم و فضل پر موقوف ہے۔ جسکو علوم معقول و منقول میں کمال ہو۔ وہ مولوی کہلانے کا مستحق ہے۔ کشمیر میں چند ایسے خاندان بھی ہیں جو پشتہا پشت سے صاحب علم و فضل چلے آتے ہیں۔ **ملّا**۔ یہ لوگ چار قسم پر منقسم ہیں۔ ایک ملائے مسجد جو مسجد کی امامت کرتے اور لڑکوں کو پڑھاتے اور خیرات اور نذرانوں پر بسر اوقات کرتے ہیں۔ دوسرے گورکن۔ جو مُردوں کو دفن کرتے ہیں۔ تیسرے غسال جو میت کو نہلاتے ہیں۔ چوتھے ان میں سے ایسے لوگ بھی ہیں جو زمینداری کام کرتے ہیں۔ **رینہ**۔ دو گروہ ہیں۔ اول برہمن جو رازدان بھی کہلاتے ہیں۔ اور بعد اسلام بھی اسی نام سے مشہور ہیں۔ دوم از خاندان راجگان چندر بنسی راجپوت جن کی جد اعلیٰ راجہ سر سرم چندر اوائل ۵۰ھ میں نگر کوٹ کانگڑہ سے آئی۔ یہاں یہ لوگ ۷۲۵ھ ہجری تک سپہ سالاری اور مدار المہامی کے معزز عہدوں پر نسلاً بعد نسلاً ممتاز رہے۔ کچھ عرصہ کے بعد ان کے خاندان کا سر گروہ راجہ راون چندر مسلمان ہو گیا۔ اور رینہ یعنی مدار المہامی کے لقب سے بدستور ملقب رہا۔ شہنشاہ اکبر کے زمانہ تک ریاست کی مدار المہامی پر یہ قوم مستقل رہی۔ قوم لون بھی اپنے آپ کو رینہ کہتی ہے۔ مگر وہ غلط ہے۔ لون الگ قبیلہ ہے۔ **پنڈت**۔

یہ لوگ جیسا کہ پنڈت کے لفظ سے ظاہر ہے پہلے برہمن تھے۔ مسلمان ہو کر بھی ان کی شرافت وتمکنت میں کوئی فرق نہیں آیا۔ گوکل۔ اسلام قبول کرنیکے بعد بھی یہ قوم اسی لقب سے ملقب ہے۔ یہ قوم جمیع اقوام برہمنان سے شریف تر اور افضل ہے۔ ٹھکر صوفی وغیرہ اقوام بٹتو۔ مانتو۔ ٹھکر۔ ہری۔ وان۔ برہ۔ پڈر۔ تری۔ کبنی۔ ملہ۔ صوفی وغیرہ ہندو راجگان کے عہد میں قوم کائستہ کے زمیندار پیشہ تھے۔ اسلام کے بعد بھی ان کے قدیم نام برابر قایم رہے ان کے اکثر افراد سلاطین کشمیر کے عہد میں رئیس ملک رہ چکے ہیں۔ مصنف تاریخ حسن لکھتا ہے کہ ان کا ذکر تواریخ میں بہت کم ملتا ہے۔ **چک** ۔ اس قوم کے بزرگ عہد سلاطین کشمیر میں واردو سے وارد کشمیر ہوئے۔ اور کوکہ اور مدار المہامی کے عہدوں پر سرافراز رہے بعد میں ان کی طاقت یہانتک بڑھ گئی کہ سلاطین سے رشتہ داریاں ہونے لگیں۔ آخر سنہ ۹۶۰ ہجری میں یہ لوگ خود سر ہو گئے۔ اور ۳۵ سال تک کشمیر میں حکومت کرتے رہے **ملک** ۔ یہ بھی کسی خاص قبیلہ کا نام نہیں ہے۔ بلکہ ملک خطاب شاہی ہے۔ سلاطین کشمیر کے عہد میں تمام رؤسا۔ مصاحب۔ جاگیردار۔ اور افسران فوج اسی خطاب سے مخاطب کئے جاتے تھے۔ محافظان راہ ہندوستان وترکستان کو بھی سرکار کشمیر سے یہی خطاب ملا کرتا تھا۔ یہ قبیلہ بھی اقوام شیخ کی ایک شاخ ہے۔ افسوس ہے کہ کشمیر میں بعض رذیل لوگ مثلاً ڈوم وغیرہ بھی اپنے آپکو ملک کہلا رہے ہیں۔ **گنائی** ۔ زبان کشمیری میں اس کے معنی منشی کے ہیں۔ اور قبیلہ گنائی دراصل پہلے برہمن تھا۔ جو کشمیر میں نہایت ذی اقتدار رہا ہے۔ اس قوم سے اکثر لوگ رئیس نامدار اور اولیاے کبار ہو گذرے ہیں بعض کم حیثیت قومیں بھی کشمیر میں گنائی کہلا رہی ہیں۔ **ریشی** ۔ یہ بھی کسی ذاتی قوم کا نام نہیں ہے۔ جو شخص حضرات ریشیان کشمیر کے مزارات کی ایک دو پشت تک استقامت سے مجاورت کرتا ہے۔ وہ رشی کہلاتا ہے۔ تاریخ المعارف حقانی میں ریشی کی وجہ تسمیہ اور ب

ملہ یہ فارسی تاریخ بھی قلمی ہے اور کشمیر میں میری نظر سے گذر چکی ہے۔ سنہ ۱۳۱۲ ہجری کی لکھی ہوئی ہے مصنف کا نام یعقوب بن عبدالعزیز ہے۔ حضرت شیخ نورالدین ولی کشمیری۔ اور حضرت میر محمد شاہ ہمدانی اور دیگر اولیاے کرام کے حالات اس میں تفصیل سے درج ہیں۔ حجم اس کا سواد و سو صفحہ سے زاید ہے۔ اور تحریر گنجان ہے۔

حضرات ریشیان کی بزرگی و قابلیت اور خدا پرستی پر بہت کچھ لکھا ہوا ہے۔ یہاں اُس کا خلاصہ درج کیا جاتا ہے۔ ریش در اصل زخم کو کہتے ہیں۔ یہ فرقہ درد مند بھی چونکہ کمال عشق حقیقی کا زخم خوردہ تھا۔ اور اُن کے زخموں کے چاک ہر روز نمایاں ہو جاتے تھے۔ یہانتک کہ اس گروہ نے محاربہ نفس و شیاطین میں جہاد اکبر سے کام لیا۔ اور شمشیر ریاضت و عبادت کثیر المشقت سے اپنے بدن کو ریشہ ریشہ اور پارہ پارہ کر دیا۔ اسی وجہ سے یہ لوگ ریش سے منسوب ہو کر ریشی کے نام سے مشہور ہو گئے۔ شیخ الشیوخ شیخ نور الدین ولی کشمیری ہمدانی رح اس فرقہ کے پیشوا و سرخیل تھے اور کہتے ہیں۔ کہ یہ نام (ریشی) سب سے پہلے اُنہوں نے ہی زبان مبارک سے نکالا تھا۔ وانیں۔ قبائل شیخ میں یہ بھی ایک شریف ذات ہے۔ اس کا پیشہ عموماً تجارت ہے۔ وانیں کے معنی تاجر یا دوکاندار ہیں۔ جو کوئی جس چیز کی تجارت کرتا ہے اُسی نام سے موسوم ہو جاتا ہے۔ مثلاً تیل بیچنے والے تِل وانیں اور پُوچی (ریشم) کی دوکان والے پُوچی وانیں کہلاتے ہیں ؛

اقوام رذیل یعنی طائفہ داران

کشمیر میں مندرجہ ذیل قومیں نہایت رذیل۔ کم حیثیت اور بد افعال ہیں۔ (۱) ڈوم۔ (۲) ہانجی۔ (۳) گلہ بان۔ (۴) چوپان۔ (۵) بگتہ۔ (۶) کنجر۔ (۷) پارہ دوز۔ (۸) چوہڑہ۔ ان میں سے نمبر ۱-۲-۶ تو اپنی بدافعالیوں اور بدکرداریوں کے لئے خاص طور پر مشہور ہیں۔ اور زیادہ تر کشمیر انہیں سے بدنام ہے۔ چونکہ کشمیر کا سیر بغیر کشتی کے ہو نہیں سکتا۔ اور کشتیوں کو ہانجی (یعنی ملاح) چلاتے ہیں۔ اور عموماً اپنے اہل و عیال بھی ہمراہ رکھتے ہیں اور چونکہ سیاحان کشمیر کا زیادہ تر انہیں سے واسطہ رہتا ہے۔ اس لئے وہ ان کی بدکرداریوں کو تمام کشمیر پر محمول کرتے ہیں جو انکی نہایت ناانصافی اور محدود واقفیت کا نتیجہ ہے۔ اگر کوئی اجنبی لاہور کے ٹبّی بازار یا اور ایسے ہی بُرے مقامات پر چلا جائے۔ اور انہیں لوگوں سے اس کا سابقہ رہے۔ تو اُس کا کیا حق ہے کہ وہ تمام لاہور کو بد اخلاق اور بدکردار ظاہر کرے۔ ایسے رذیل لوگ ہر ملک اور ہر شہر میں ہوتے ہیں۔ گلہ بان اور چوپان یہ چوری پیشہ قومیں ہیں۔ اور عموماً بکریوں۔ گائے۔ اور گھوڑیوں کی چوری کرتے ہیں۔ اور حالانکہ لوگ جانتے ہیں کہ فلاں گلہ بان نے چوری کی ہے۔ مگر اُسکی مخبری کی طاقت نہیں رکھتے اور

ڈرتے ہیں کہ مبادا اور تکلیف دے ؛

کشمیری پنڈت

کشمیری بلا تفریق مذہب بلا کے ذہین اور طباع وضناع ہیں۔ جو سیاح کشمیر سے ہو گئے ہیں۔ وہ اس پرکالہ آفت ملک کی ذہانت وطباعی کے دل سے قائل ہیں۔ وہ تعلیم یافتہ کشمیری پنڈت اور کشمیری مسلمان بھی جو پنجاب یا ہندوستان کے دیگر ممالک میں بود و باش رکھتے ہیں۔ اس بات کا کافی ثبوت ہیں۔ کہ کشمیریوں کا باوجود کمی تعداد کے ہر سوسائٹی یا انجمن اور قریباً ہر معزز عہدے کیساتھ تعلق ہے۔ کوئی بڑے سے بڑا عہدہ جس پر کوئی ہندوستانی تعینات ہو سکتا ہو۔ ایسا نہیں جو انہوں نے حاصل نہ کیا ہو۔ یا اُس کے قابل نہوں۔ کشمیر کے مسلمان کچھ پیروں کی تحریک اور کچھ اپنی بدشوقی کے باعث تعلیم کو غیر ضروری چیز سمجھتے رہے۔ پنڈتوں نے زمانہ شناسی سے کام لیکر اس جانب توجہ کی اور یہ اُسی تعلیم کا نتیجہ ہے کہ آج کشمیر کے قریباً ہر محکمہ اور ہر دفتر میں ان کا عمل دخل ہے مسلمان بھی جبتک تعلیم حاصل نہ کرینگے۔ اسی طرح خراب و ذلیل حالت میں رہینگے ؛

کشمیری پنڈتوں کی کل آبادی ساٹھ ستر ہزار کے قریب ہے مسلمانوں کیطرح انکی بھی بیشمار ذاتیں ہیں۔ جن میں سے مندرجہ ذیل قابل ذکر ہیں۔ کول۔ دتا تری کول۔ نل وائیں کول۔ بٹ۔ رازدان۔ ٹکو۔ ذتشو۔ در۔ نہرو۔ واتلو۔ کل پشو۔ پارمو۔ سکھ فوطہ دار۔ گنجو۔ کچو۔ سپرو۔ ڈانگرو۔ ڈلو۔ وتلو۔ برہمن۔ پوتو۔ کچرو۔ شکرو۔ ترکرو۔ زتو۔ منٹو۔ گورو۔ زودو ؛

ان کی اکثر سوشل اور مذہبی رسومات پنجابی ہندوؤں سے ملتی جلتی ہیں۔ مختصر طور پر چند رسومات کا ذکر کیا جاتا ہے ؛

ابتدا میں جب بچہ پیدا ہوتا ہے۔ تو زچہ اور بچہ دونوں دس دن تک بھرشٹ ناپاک سمجھے جاتے ہیں۔ دسویں دن زچہ اشنان (غسل) بھی کرتی ہے اور ہون بھی ہوتا

ہے جو دوسرے دن تک ہوتا رہتا ہے۔ جس میں گھی۔ لوبان۔ صندل۔ بادام۔ اور دیگر پھل پھول جلاتے ہیں۔ اس رسم کو "کھہ نیتر" کہتے ہیں۔ جب بچے کی مُونڈ تراشی ہوتی ہے تو ہون کے علاوہ اہل برادری کو ضیافت (بھت) بھی دیتے ہیں ؛

زنار بندی کی رسم ادا ہونے تک بچہ بالکل آزاد رہتا ہے۔ مسلمان کے گھر سے بھی کھانے کی اُس کو ممانعت نہیں۔ زنار بندی کیوقت ہون کرتے اور لڑکے کے گلے میں زنار (جنیئو) ڈالتے ہیں۔ اس دن سے لڑکا اصلی طور پر ہندو دھرم میں داخل ہوتا ہی اور چھوت چھات شروع ہو جاتی ہے۔ اگر کوئی شخص لاولد ہو۔ تو اُس کے بھتنے کو بھی انہیں رسومات کا پابند اور اپنے اصلی باپ سے محروم الارث ہونا پڑتا ہے ؛

ناطہ کی رسم کسی خاص وقت پر مقرر نہیں بعض صغر سنی میں ہو جاتے ہیں اور کئی ایک کو جوانی تک لنڈورا رہنا پڑتا ہے۔ ناطہ کرتے تو برادری یعنی (پنڈتوں) ہی میں ہیں۔ مگر پہلے اس بات کا اطمینان کر لیتے ہیں کہ دونوں طرف سے کوئی ایک ماں یا باپ کیطرف سے سات پشت تک رشتہ میں تو نہیں ملتا۔ اکثر ناطے اُن کشمیری پنڈتوں کے ساتھ بھی ہوتے ہیں جو پنجاب یا ہندوستان کے دیگر صوبجات میں رہتے ہیں ؛

شادی کے متعلق جو فضول رسمیں بعض اَور قوموں میں ہیں کشمیری پنڈت بھی اُن سے خالی نہیں گو ڈھولک بجانے کا کم رواج ہے۔ مگر گانی خوب جی کھولکر ہیں۔ آتش بازی اور ناچ کا شغل بھی رہتا ہے۔ بہت سی بد رسمیں سناتن دھرم سبھا سری نگر کی کوشش سے دُور ہو گئی ہیں۔ شادی کی تقریب پر گوشت بے دریغ خرچ کیا جاتا تھا۔ مگر اب صرف "وشنوئی" پر گذارا ہے۔ جو اُس ضیافت اور رسم کا نام ہے۔ جس میں گوشت کے سوا اور سب کچھ ہوتا ہو۔ پنجاب کیطرح برات کو دو دو تین تین رات تک نہیں رکھتے۔ بلکہ ایک رات کے بعد دوسرے دن رخصت کر دیتے ہیں۔ برات کی تعداد بہت ہوتی ہے اور کھانے میں بے ترتیبی بلکہ بدتمیزی سے کام لیا جاتا ہے۔ دُولھا کے والدین کوئی زیور یا کپڑا وغیرہ نہیں دیتے بلکہ لڑکی کا تمام زیور اور کپڑے لڑکی والوں کو دینے پڑتے ہیں۔ بیاہ کے بعد بھی جب کبھی دُولھا یا اُس کا باپ دُلھن کے گھر جاتا

ہے۔ تو غریب لڑکی والوں کو علاوہ پُرتکلف دعوت کے کچھ لباس اور زیور علی قدر مراتب نئے سرے سے دینا پڑتا ہے۔ مگر اب سناتن دھرم سبھا اور پنڈت ہر گوپال صاحب وکیل سرینگر نے بہت سی مذموم رسومات کو بیخ و بُن سے اُکھاڑ دینے کا تہیہ کر لیا ہے۔ جواب رفتہ رفتہ کم ہو رہی ہیں۔ کشمیری پنڈتوں میں ماتم ایک عرصہ تک رہتا ہے۔ موت کے بعد دس دن تک [illegible] ایک ہی وقت کھانا کھاتے ہیں۔ چراغ تمام رات جلائے رکھتے ہیں اور پھیرن (لمبے کرتہ) سمیت ہی زمین پر سوتے ہیں۔ پھر تین دن تک برہمنوں کو متوفی کا تمام ذاتی اسباب۔ پوشاک۔ برتن۔ چاقو۔ نسوار کا ڈبہ وغیرہ اور کچھ دکھشنا (نقد) بھی دیتے اور کریا کرم کی رسم ادا کرتے ہیں۔ جب کسی کا انتقال ہوتا ہے تو اُس کے تمام بیٹے داڑھی اور مونچھیں منڈوا ڈالتے ہیں۔ اگر کوئی لاولد ہو۔ تو اُس کا کوئی اور رشتہ دار اس رسم کو ادا کرتا ہے۔ چھ ماہ تک ہر مہینے میں دو مرتبہ متوفی کا شرادہ کرتے اور برہمنوں کو کھلاتے ہیں اس رسم کا نام چھوار ہے۔ ۶ ماہ کے بعد برس دن تک ہر مہینے شرادہ کرتے ہیں جسکو ماہ سوار کہتے ہیں۔ سال کے بعد ہر سال متوفی کی وفات کا ایک دن مناتے ہیں۔ جسکو واہر وار کہتے ہیں۔ اس دن تمام اہل برادری اور برہمنوں وغیرہ کو دعوت اور دکھشنا دیجاتی ہے۔ ماہ سوار کی رسم کے بعد متوفی کی ہڈیاں ہرمکھ گنگا میں جا کر بہا آتے ہیں ؛

کشمیری پنڈتوں میں پردہ مطلق نہیں ہے۔ غیر مرد تو الگ گھر کے مردوں کی بھی چنداں احتیاط نہیں کیجاتی۔ نہ خاوند کے بڑے بھائی یعنی جیٹھ اور نہ خُسر یعنی خاوند کے باپ سے پردہ کرتی ہیں۔ کبھی کبھی کوئی بڑی بوڑھی بُرقعہ اوڑھ لیتی ہے۔ یا جب کبھی نوجوان لڑکیاں کسی دعوت میں جاتی ہیں تو برقعہ اوڑھ کر جاتی ہیں۔ اکثر "پنڈتانیاں" پتن یعنی دریا کے کنارے پر علی الصباح کثرت سے نظر آتی ہیں۔ کوئی پانی لیجا رہی ہے۔ کوئی برتن مانجھ رہی ہے۔ کوئی اشنان کر رہی ہے۔ کوئی منہ ہاتھ دھو رہی ہے۔ مسلمان "کشمیرنوں" کی نسبت "پنڈتانیاں" زیادہ نازک اور زیادہ خوبصورت ہوتی ہیں۔ ان کا زیور جو اُٹھتے بیٹھتے کانوں کے ساتھ لٹکتا ہے نہایت دلاویز معلوم ہوتا ہے۔ لباس ان کا عموماً مسلمان عورتوں کیطرح ہوتا ہے البتہ پھرن میں بجائے سفید کے رنگدار کپڑا لگایا جاتا ہے۔ اس

کے گرد کمر میں ریشمی پٹکہ ہوتا ہے۔ جس کو لُنگی کہتے ہیں۔ سر پر ایک ٹوپی نما کُلہ پوش ہوتی ہے جس کے اندر کمخواب یا اطلس کا کپڑا اور گرد کوئی سفید کپڑا یا پٹو ہوتا ہے۔ سر پر ایک چھوٹا سا دوپٹہ بھی برائے نام رکھتی ہیں۔ گھاس کا جوتا عموماً پہنتی ہیں +

کشمیری پنڈت جو پرانے فیشن کے ہیں وہ شاستری اور فارسی پڑھے ہوئے ہیں۔ موجودہ نسلیں فارسی اُردو کے سوا انگریزی بھی حاصل کر رہی ہیں۔ نئے تعلیم یافتوں نے پرانا لباس ترک کر دیا ہے اور بظاہر بالکل پنجابی معلوم ہوتے ہیں۔ پنڈت عموماً کانوں پر اور پیشانی سے ناک تک صندل کی ایک لکیر بناتے ہیں جسکو ٹیکا کہتے ہیں +

عورتیں عموماً تعلیم سے محروم ہیں۔ مگر مسلمان مستورات سے بہر حال بہتر ہیں۔ ایک ہندو گرلز سکول سرینگر میں جاری ہے جس میں سنسکرت اور اُردو کی پڑھائی کے علاوہ لڑکیاں موزے اور دستانے بھی بنتی ہیں۔ بیوہ کی شادی ابھی تک کشمیر میں نہیں ہوتی + پنڈتوں کے زیور چونکہ ہندوستان یا پنجاب کے اہل ہنود سے عموماً مختلف ہوتے ہیں۔ اس لئے اُن کا ذکر بھی بے محل نہ ہوگا۔ ڈیج ہرو۔ جو کانوں میں دھاگوں کے ساتھ لٹکتا رہتا ہے۔ دُرہ ہرو۔ یہ طلائی زیور کانوں میں ڈالا جاتا ہے۔ وزن میں تولہ سے چار تولہ تک ہوتا ہے۔ حلقہ بند۔ یہ طلائی زیور گلے کے گرد باندھا جاتا ہے۔ چنپکلی۔ یہ زیور مالا کیطرح ہوتا ہے جو گلے میں ڈالا جاتا ہے۔ اس کے دانے جو طلائی ہوتے ہیں۔ وزن میں دس بارہ تولہ اور گندم نما ہوتے ہیں۔ تلسی۔ مشہور طلائی زیور ہے اس کے دانے گول ہوتے ہیں۔ درمیان میں سینے پر ایک ٹک روپیہ کی شکل کا مگر اُس سے بڑا ہوتا ہے محنت ٹنگ۔ یہ طلائی زیور ٹنگ (ناشپاتی) کی شکل میں ہوتا ہے عموماً امیر لوگ اسکو پہنتے ہیں۔ کل پشو یعنی سر کی ٹوپی میں دونوں طرف طلائی تال ریزی (دھاگہ) کے ساتھ دونوں کانوں کیطرف محنت ٹنگ آویزاں رہتا ہے۔ اٹھنت۔ یہ طلائی زیور بھی کانوں میں ہی پہنا جاتا ہے۔ اس کو قریباً ہر امیر غریب استعمال کرتا ہے اٹھنت اُس پھول نما زیور کی مانند ہے۔ جو پوربی عورتیں کانوں میں رکھتی ہیں۔ چوڑیاں انگوٹھی یہ سب مشہور ہیں۔ کشمیری پنڈتوں میں چاندی کا زیور بہت کم بلکہ برائے نام

استعمال کیا جاتا ہے۔ عموماً ہر زیور طلائی ہوتا ہے ؛

کشمیری مسلمانوں اور کشمیری پنڈتوں کا باہمی سلوک اور برتاؤ اور چھوت چھات اور پرہیز کی کمی اور دیگر دوستانہ بلکہ برادرانہ تعلقات اس قابل ہیں کہ پنجاب کے نئے تعلیم یافتہ صاحبان ان کی تقلید کریں۔ ہر چند مسلمان اور پنڈت لوگ اپنے مذہبی عقائد کے پورے پابند ہیں۔ مگر تعصب یا حسد یا بات بات میں چھوت چھات کا نام تک نہیں جانتے۔ البتہ جب سے غیر ملکی بالخصوص "نئی مت" کے لوگ کشمیر میں آنے لگے ہیں۔ تعصب اور مغائرت کی وبا پھیل رہی ہے۔ کشمیریوں بالخصوص پنڈت صاحبان کو یہ امر اچھی طرح ذہن نشین کر لینا چاہئے۔ کہ یہ لوگ ہندو مسلمانوں میں نفاق و عداوت کا بیج بونے میں خاص طور پر مشہور ہیں۔ ان کے صلاح و مشورہ سے جو دونوں فرقوں میں نفاق ڈالنے والا ہو حتی الامکان پرہیز لازم ہے۔ خود تو یہ لوگ اپنا کام نکال کر واپس پنجاب چلے جاتے ہیں۔ مگر اہل کشامرہ کو "پھوٹ کا میوہ" کھلا کر مصیبت میں پھنسا دیتے ہیں ع

مرادِ ما نصیحت بُود کردیم

سکھ

کشمیر میں سکھوں کی تعداد پنڈتوں سے بھی بہت کم ہے۔ ان میں دو فرقے ہیں۔ ایک کو جنسی سکھ اور دوسرے کو زمینداری سکھ کہتے ہیں۔ جو سکھ راجہ سکھ جیون کے وقت پنجاب سے آئے تھے۔ اُن کو ابتدا میں عرصہ تک بجائے تنخواہ کے "جنس" ملتی رہی۔ اس لئے اُن کا نام ہی جنسی سکھ ہو گیا۔ ان کی آبادی زیادہ تر علاقہ جمل۔ ترال۔ مٹن۔ بڈگام اور کرون میں ہے۔ جو چار پانچسو سے زیادہ نہیں ہے۔ زمینداری سکھ مہاراجہ رنجیت سنگھ شیر پنجاب کے زمانہ میں یہاں آئے۔ ان کی آبادی زیادہ تر مٹن اور چوگل کے علاقوں میں ہے۔ دونوں فرقوں کی سوشل رسومات بہت کچھ مختلف ہیں۔ ایک فرقہ دوسرے فرقہ میں ناطہ داری بھی نہیں کرتا۔ جس کی بڑی وجہ یہ معلوم

ہوتی ہے کہ جنسی سکھ برہمن یعنی وت اور بالی وغیرہ ہیں اور دوسرے خالص زمیندار ہیں۔ زمیندار سکھ اتبک اپنی شادیاں پنجاب ہی میں کرتے ہیں۔ زمیندار فرقہ کے مرد و زن کا لباس بالکل پنجابی ہے۔ البتہ جنسی فرقہ کی عورتوں نے کرتہ کی بجائے پھرن (کشمیری کرتہ) اختیار کر لیا ہے۔ گرنتھ صاحب کی تعظیم و تکریم ویسی ہی ہوتی ہے۔ جیسی کہ پنجاب میں ہے۔ دونوں فرقوں کی آبادی دو ہزار کے اندر ہے۔ کشمیری سکھ کشمیری زبان کے علاوہ پنجابی بھی باآسانی بول سکتے ہیں یہ لوگ عموماً تعلیم سے بے بہرہ ہیں +

متبرک مقامات ہنود کشمیر میں کوئی ایسا شہر اور گاؤں نہیں جہاں کوئی نہ کوئی زیارت اور متبرک کنڈ نہو۔ اگر ہر ایک متبرک مقام کا ذکر کیا جائے۔ تو ایک دفتر الگ تیار ہو سکتا ہے۔ اسلئے صرف اُن مشہور مقامات کا ذکر کیا جاتا ہے۔ جہاں کشمیر اور پنجاب کے اکثر اہل ہنود درشنوں کے لئے آتے رہتے ہیں +

بارہ مولا میں لب دریا کوٹھی تیرت ایک مشہور مقام ہے۔ جہاں کشمیر کے علاوہ پنجاب سے بھی بکثرت ہندو آتے ہیں کہتے ہیں کہ حکومت افاغنہ میں اس تیرتھ کے لئے ایک جاگیر بھی تھی۔ یہاں ایک چشمہ ہے جس میں اہل ہنود نہانے جایا کرتے ہیں۔ مندر اور دھرم سالہ بھی موجود ہے یہاں چونکہ کسی زمانہ میں بہت سے تیرتھ تھے۔ اس لئے یہ مقام کوٹھی تیرتھ ہی کے نام سے مشہور ہو گیا۔ گسائیں ٹنگ یہ مقام بارہ مولہ کے شمالی حصہ کی پہاڑی پر واقعہ ہے۔ یہاں چار کنڈ رام کنڈ۔ ستیا کنڈ۔ ہنومان کنڈ۔ لچھمن کنڈ بہت مشہور اور متبرک ہیں۔ مندر کے علاوہ چند اور عمارتیں بھی ہیں۔ ایک گسائیں یعنی مجاور بھی وہاں رہتا ہے۔ اس کے اخراجات کیلئے ایک جاگیر بھی وقف ہے۔ جنوبی سڑک کے متصل بر لب دریا شیلہ دیوی کی عمارت ہے۔ شیلہ سنسکرت میں پتھر کو کہتے ہیں۔ ایک چشمہ بھی ہے جس میں نہانا نہایت متبرک خیال کیا جاتا ہے +

سوپور کے متصل موضع سیر میں بر لب دریا نند کشور کی بھیرو ایک متبرک مکان ہے جس میں ایک چشمہ بھی ہے جس کا پانی سبک۔ ہاضم اور صاف ہے۔ ہر منیچر اور منگل کو ہندو لوگ یہاں کثرت سے جمع ہوتے اور بھیڑ بکری ذبح کر کے بطور

خیرات تقسیم کرتے ہیں۔ خاص سوپور میں دریا کے عین درمیان ایک چشمہ ہے۔ جس میں ہمیشہ خود بخود حباب اُٹھتے رہتے ہیں۔ جس کو چندر ناگ کہتے ہیں۔ سوپور یا اُس کے متصل جب کسی ہندو کی شادی ہوتی ہے۔ تو دُلہن کو پیشتر اس کے کہ وہ سسرال کے مکان میں قدم رکھے اس چشمہ پر بذریعہ کشتی سلامی کے لئے آنا پڑتا ہے جہاں دودھ۔ مصری۔ قند۔ چاول وغیرہ بطور رسم متبرک ڈالتے ہیں۔ استھان کنٹھک بھیرو۔ اس استھان (آستان) میں ایک بہت بڑا شولنگ ہے۔ یہاں ایک دھرم سالہ بھی ہے۔ آمد و رفت سادھوؤں اور زائروں کی برابر جاری ہے۔ چکوں کے دور حکومت میں تین خروار زمین جاگیر میں تھی۔ مندر رشی پیر۔ قصبہ کے عین وسط میں برلب دریا بمقابلہ زیارت شاہ ہمدان واقع ہے۔ یہ مندر وزیر پنوں کی عقیدتمندی سے تیار ہوا تھا کہتے ہیں کہ جہاں اب مندر ہے یہیں رشی پیر پیدا ہوئے تھے۔ وہاں چنار کا ایک بہت بڑا درخت بھی ہے۔ جس کی نسبت مشہور ہے کہ وہ رشی پیر کی والدہ کا نصب کیا ہوا ہے۔ چنڈی دیوی۔ سوپور کے پُل کے نیچے ایک چشمہ ہے جس سے بُلبلے نکلتے رہتے ہیں۔ انہیں بُلبلوں کو چنڈی دیوی کہتے ہیں۔ ہندوؤں کا اس پر بہت اعتقاد ہے تحصیل اُترمچھی پورہ۔ علاقہ زینہ گیر موضع زینی پورہ کی ایک پہاڑی کے گوشہ میں بیبی شری کا استھان ہے۔ جو اچھی رونق پر ہے۔ اس استھان کے لئے کچھ جاگیر بھی وقف ہے۔ یہاں ایک مندر کے علاوہ کئی مکانات تخت پوش۔ اور باغات بھی ہیں۔ مسافروں اور سادھوؤں کی اکثر آمد و رفت رہتی ہے۔ موجودہ گدی نشین ایک مہمان نواز اور فقیر دوست آدمی ہے۔ یہاں بلاتفریق مذہب مسافروں کو کھانا اور میوہ اور جانوروں کے لئے گھاس۔ دانہ مل جاتا ہے۔ اسی علاقہ کے موضع شوہ میں ایک چشمہ بنام اننت ناگ ہے یہ چشمہ ایک پتھر میں سے نکلتا ہے۔ یہاں سال بھر میں ہندوؤں کا ایک میلہ ہوتا ہے۔ جس میں سیکڑوں لوگ درشن کو آتے ہیں۔ سادومول موضع گُنڈی کے جنگل میں ایک مقام کا نام ہے۔ جس کی وجہ تسمیہ یہ بیان کیجاتی ہے۔ کہ سادومول نام ایک غارنشین سنت تھا۔ جو ہر روز نعلین چوب (کھڑاؤں) کے

ذریعہ دریائے گنگا پراشنان کے لیئے جاتا تھا۔ ایک دفعہ وہ گنگا سے پانی بھی لے آیا۔
جس سے کئی چشمے پیدا ہو گئے۔ یہاں سرکار کی طرف سے جاگیر بھی ہے۔ دھرم سال اور
مندر بھی ہیں۔ یہاں لوگوں کی آمد و رفت کثرت سے رہتی ہے۔ چُون گنگا موضع بھدر کلی
متصل مندواڑہ میں بھدر کالی کے چشمہ کا نام ہے۔ یہاں بھی سالانہ میلا ہوتا ہے۔ جس میں
ہندو لوگ بھیڑ بکرا ذبح کر کے غربا کو تقسیم کرتے ہیں۔ سار داجی۔ موضع گشی میں ایک
مکان کے اندر بہت بڑے پتھر پر ایک متبرک تصویر ہے۔ اردگرد چنار کے درخت کثرت
سے ہیں۔ عام لوگ اس مقام کو زنگوار بھی کہتے ہیں۔ یہاں بھی آمد و رفت کثرت سے ہے
کھیر بھوانی موضع ٹکر میں ایک چشمہ کا نام ہے۔ جہاں آمد و رفت تو ہر چند ہمیشہ ہی رہتی ہے
مگر اشٹمی کے دن لوگ خصوصیت سے جمع ہوتے ہیں۔ گنگاجی علاقہ حل کے پہاڑ پر ایک
گاؤں وینہ کری نام آباد ہے۔ وہاں ایک چشمہ ہے جس کو ہندو لوگ گنگاجی کے نام
سے پکارتے ہیں یہاں بھی معتقدین کثرت سے آتے ہیں۔ چشمہ کھیر بھوانی موقعہ [illegible]
علاقہ لار میں یہ بہت بڑا چشمہ ہے۔ اس کا پانی دن میں کئی ایک رنگ بدلتا ہے۔ ہر اشٹمی
کو یہاں ایک عظیم میلا ہوتا ہے۔ جس میں لاکھوں آدمی کشمیر اور دیگر ممالک سے آکر جمع
ہو جاتے ہیں۔ یہاں شاہی مکانات اب تک موجود ہیں۔ ریاست کی طرف سے ایک جاگیر
بھی ہے۔ اس چشمہ پر کوئی آدمی جوتا پہن کر نہیں جا سکتا۔ انگریز لوگ بھی بوٹ اتار کر جاتے
ہیں۔ مہاگنیش علاقہ لولاب موضع سوگام میں ایک چشمہ کا نام ہے۔ اس چشمہ پر برنت
کا ایک درخت بھی ہے جس کی نسبت مشہور ہے کہ جب سے چشمہ جاری ہے۔ اسی وقت
سے یہ درخت بھی قایم ہے یہ درخت چنار کی مانند سایہ دار اور پھیلا ہوا ہوتا ہے۔ اس چشمہ
پر مکانات بھی ہیں۔ اور لوگ کثرت سے جاتے ہیں۔ چنڈی کے دو چشمے۔ اسی علاقہ
کے موضع چنڈی گام کے جنگل میں واقعہ ہیں۔ مشہور ہے کہ ایک چشمہ عورتوں کیلئے
اور ایک مردوں کے لیئے ہے۔ اگر کوئی مرد کسی عورت یا کوئی عورت کسی مرد کے چشمہ
پر چلی جائے۔ تو اُس کی بینائی میں فرق آجاتا ہے۔ موضع شادی پور میں دریا کے
عین درمیان چنار کا ایک بہت بڑا درخت ہے۔ جس کے گرد پتھروں کا ایک بلند

چبوترہ ہے۔ اس مقام کو پریاگ جی کہتے ہیں۔ دس سال کے بعد یہاں ایک میلا بنام وشہار ہوتا ہے۔ جس میں ہزارہا لوگ کشمیر اور پنجاب سے آکر شامل ہوتے ہیں۔ تخت رام لچھمن۔ علاقہ نے ہری موضع می لیال کی پہاڑی کرناہ پر ایک چشمہ اور ایک بہت بڑا پتھر ہے۔ پتھر عمدہ اور صاف اور مختلف تصویروں سے مزین ہے۔ اسی پتھر کا نام رام لچھمن کا تخت ہے۔ یہ جگہ نہایت فرح بخش اور پُرفضا ہے۔ اور چونکہ بہت بلندی پر ہے۔ اس لئے باوجود ایسی مفرح جگہ ہونے کے یہاں آدمیوں کی آمدورفت بہت کم ہے÷

سری نگر۔ شہر کی دیوی۔ ہری پربت (کوہ ماران) پر واقعہ ہے۔ یہاں ہر روز علے الصباح اہل ہنود مرد و زن کثرت سے پہنچ جاتے ہیں۔ پتھر پر دیوی کی مورت ہے جس پر زائرین اور عقیدتمندان خاص صندل لگاتے ہیں۔ مہا گنیش۔ جبہ کدل کے پاس لب دریا ایک مندر میں پتھر کی ایک مورت کا نام ہے۔ یہاں پنڈت لوگ صبح اور شام کثرت سے آتے رہتے ہیں۔ مہا کالی۔ خانقاہ معلیٰ کے پاس لب دریا ایک پتھر کی مورت ہے۔ جو دیوار ہی کے ساتھ ہے۔ یہاں کوئی مندر وغیرہ نہیں ہے۔ رگناتھ جی کا مندر فتح کدل کے پاس لب دریا واقعہ ہے یہ خوبصورت مندر جس کا کلس سنہری ہے۔ موجودہ والئے کشمیر ہز ہائی نس مہاراجہ پرتاب سنگھ صاحب بہادر نے بنوایا ہے۔ اس مندر کے چونکہ پانچ گنبد ہیں۔ اس لئے یہ پانچ مکھی کے نام سے بھی مشہور ہے۔ گدادھر جی کا مندر۔ شیر گڈھی میں مہاراجہ رنبیر سنگھ صاحب کا بنایا ہوا خوبصورت مندر اب تک اپنا سنہری جلوہ دکھا رہا ہے۔ اس مندر میں سونے کا بہت کام ہے۔ مندر کے اندر سری رامچندر جی کی مورت ہے÷

اسلام آباد۔ اننت ناگ۔ خاص اسلام آباد میں یہ وسیع چشمہ شاہان اسلام کی عمارات کے اندر واقعہ ہے۔ ان عمارات کی ریاست کی طرف سے مرمت وغیرہ ہوتی رہتی ہے۔ چشمہ میں بہت سی مچھلیاں بھی ہیں۔ جن پر مصنوعی نہیں بلکہ قدرتی طور پر طلائی اوراق ہیں۔ دگہام۔ ایک مندر اور چشمہ کا نام ہے۔ جو شوپیان سے ایک میل کے

فاصلہ پر ہے۔ یہاں ہزہائی نس مہاراجہ صاحب بھی کبھی کبھی آیا کرتے ہیں۔ کشمیر کے علاوہ ہندوستان۔ پنجاب کے اہل ہنود بھی ماہ ساون میں اشنان کے لئے آتے ہیں مٹن جی۔ یہ مندر اسلام آباد سے چار میل کے فاصلہ پر ایک میدان میں مگر کسی قدر کریوہ (بلندی) کے ساتھ واقعہ ہے۔ یہاں ایک چشمہ بھی ہے۔ جہاں پنجاب اور ہندوستان کے دیگر ممالک سے بھی اکثر اہل ہنود درشنوں کو آتے ہیں۔ یہاں کے پجاریوں کے پاس ایک بہت بڑی کتاب ہے۔ جس میں ہر زائر کا نام معہ ولدیت کئی پشتوں تک لکھا ہوا ہوتا ہے۔ جو لوگ پہلی دفعہ آتے ہیں۔ اُن کو اپنا نام تا اب وجد نئے سرے سے لکھانا پڑتا ہے۔ اس چشمہ میں مچھلیاں کثرت سے ہیں۔ مگر پکڑنے کی ممانعت ہے۔ ہر مکھ گنگا یا گنگا جی۔ سرینگر سے ۲۰ میل کے فاصلہ پر بجانب شرق ہر مکھ پہاڑ کے دامن میں یہ چشمہ ½ ۷ میل تک طول عرض میں چلا گیا ہے۔ اسی چشمہ یعنی گنگا میں کشمیر کے اہل ہنود مُردوں کی ہڈیاں دریا بُرد کرتے اور داڑھی وغیرہ مُنڈوا کر اشنان کرتے ہیں ‡

امرناتھ جی۔ اس متبرک زیارت گاہ کی شہرت نہ صرف کشمیر ہی میں ہے۔ بلکہ بنگال سے بلوچستان اور راس کماری سے پشاور تک کے اہل ہنود اس کی زیارت کو فرض مقدس سمجھتے ہیں۔ یہ مقام سرینگر سے ۱۶ دن کی منزل پر واقعہ ہے۔ راستہ ایسا کٹھن اور برفانی ہے۔ کہ کئی لوگ ضائع ہو جاتے ہیں۔ یہاں نہ کوئی دکان ہے نہ مکان۔ نہ آبادی۔ بلکہ کسی پرندہ تک کی آواز بھی نہیں سنائی دیتی۔ کسی درخت یا سبزہ کا نام و نشان نہیں بڑے بڑے پہاڑوں کے دشوار گذار دروں کو طے کرنے کے بعد ایک بلند پہاڑ پر ایک گپھ یعنی غار ہے۔ جس میں برف کا ایک شولنگ ہے۔ جو ہمیشہ معلق رہتا ہے یعنی غار کی بلندی اور پستی کے درمیان بغیر کسی سہارے کے کھڑا ہے۔ ہر قمری مہینے کے عروج کو بڑھتا اور زوال کو گھٹ جاتا ہے۔ یہاں سردی کا وہ عالم ہے۔ کہ ہاڑ اور ساون۔ بھادوں کے مہینوں میں بھی یہاں چاروں طرف برف ہی برف نظر آتی ہے۔ غار کی چھت کے پتھروں سے پانی کا ایک ایک قطرہ ہمیشہ گرتا رہتا ہے۔ اور چونکہ سردی کی وہاں کوئی انتہا نہیں اس لئے وہ بُوندا بھی رستے ہی میں ہوتی ہے

اور زمین پر پہنچتی بھی نہیں کہ منجمد ہو جاتی ہے۔ کہتے ہیں کہ انہیں قطروں سے شولنگ بنا ہے۔ پھلگام سے آگے چندن واری کا ایک مقام ہے۔ جہاں تھوڑی سی بستی بھی ہے یہاں پھلگام کے مسلمان ملک بھوج پتر کی لنگوٹیاں بیچتے ہیں ایک لنگوٹی دو تین پیسے کو مل جاتی ہے۔ چندن واری سے امرناتھ جی تک تمام زمین گلریز ہے۔ چاروں طرف ہزارہا قسم کے پھول اور گلزار نظر آتے ہیں۔ جس سے دل کو ایک عجیب فرحت ہوتی ہے۔ تھوڑی دور آگے شیش ناگ کا مشہور چشمہ آتا ہے جو بہت بڑا عمیق و وسیع ہے۔ اس چشمہ میں بھی جو دریائے لمبودری کی جھیل ہے۔ کثرت سے لوگ اشنان کرتے ہیں۔ جدھر نظر اُٹھاؤ۔ سر بفلک پہاڑ اور مشام جان کو معطر کرنیوالے گل و گلزار نظر آرہے ہیں۔ یہ دشوار، خوفناک اور غیر آباد علاقہ پھلگام سے شروع ہو کر امرناتھ جی سے بھی دُور آگے چلا جاتا ہے۔ شیش ناگ سے آگے تھوڑے فاصلہ پر پنج ترنی کے پانچ دریا آتے ہیں۔ جن میں سے نہ صرف پیدل ہی گذرنا پڑتا ہے۔ بلکہ ہر ایک دریا میں اشنان بھی کیا جاتا ہے۔ ان دریاؤں کا پانی صبح ۹ بجے تک ہلکا اور کم ہوتا ہے۔ بعد میں سورج کی تمازت سے گرد و پیش کی تمام برفیں پگھل کر ایک طوفان پیدا کر دیتی ہیں۔ رات کو پنج ترنی میں قیام کیا جاتا ہے۔ نصف رات کے بعد تمام پُجاری لوگ اپنا اسباب خوراک وغیرہ مزدوروں کے حوالے کر کے آگے روانہ ہو جاتے ہیں۔ بیرو گھاٹی ایک پہاڑی کو عبور کر کے جب گربجا ترا کی غار تک پہنچتے ہیں۔ تو بڑی آہستگی سے ایک ایک ہو کر سب کو گذرنا پڑتا ہے یہ غار نہایت تنگ اور گنجان ہے۔ اس کی لمبائی صرف بیس قدم تک ہے۔ اس غار کے سوا اور کوئی رستہ منزل مقصود تک پہنچنے کا نہیں ہے غار کے بعد اُترائی میں پہاڑ کے نیچے ایک دریا ہے جس کا نام امراوتی ہے۔ اس کا پانی دودھ کیطرح سفید ہوتا ہے۔ اور مطلق فرق نہیں معلوم ہوتا۔ اسی لئے اس کو دودھ کی ندی بھی کہتے ہیں۔ اکثر لوگ بوتلوں میں بند کر کے اس کو اپنے ہمراہ لاتے ہیں۔ امراوتی میں اشنان کرنے کے بعد زائر لوگ امرناتھ جی کے غار کے دروازہ سے بھبوت لیکر بدن پر ملتے ہیں۔ یہ بھبوت پھلگام کے مسلمان ملکوں سے مفت ملتی ہے۔ جو دروازہ کے

کے پاس اسی غرض سے بیٹھے رہتے ہیں۔ یہ بھبوت سفید رنگ کی مٹی ہوتی ہے۔ اور سوائے غار کے دروازہ کے اور کہیں سے نہیں نکلتی۔ اس میلہ میں دو بہت بڑے علم یعنی جھنڈے بھی ہوتے ہیں۔ ایک مہاراجہ صاحب بہادر کیطرف سے معہ نذرانہ وغیرہ۔ اور دوسرا علم ہندوستان کے مہنت اور سادھو وغیرہ لاتے ہیں۔ میلہ صرف ایک دن ہی رہتا ہے۔ آمدنی کا اندازہ دس ہزار تک ہے۔ جس کے تین حصہ ہوتے ہیں۔ ایک حصہ مہنتوں اور سادھوؤں کا۔ دوسرا مٹن کے پروہتوں کا۔ تیسرا مسلمان ملکوں کا۔ ملک لوگ اس حصہ کے معاوضہ میں مسافروں کو غار کا رستہ بتاتے۔ اپاہجوں اور لنگڑوں اور کمزوروں کو غار تک پہنچاتے اور زائرین کے اسباب کی حفاظت اور چوری کے ذمہ وار ہوتے ہیں۔ بھبوت ملنے سے پہلے تمام مرد کپڑے اُتار کر بھوج پتر کا لنگوٹ باندھ لیتے اور اس شعر کا مصداق بن جاتے ہیں ؎

تن کی عریانی سے بہتر نہیں دنیا میں لباس
یہ وہ جامہ ہے کہ جس کا نہیں سیدھا اُلٹا

عورتوں میں سے کشمیری عورتیں صرف پھرن (لمبا کُرتہ) اور پنجابی عورتیں سر سے پاؤں تک ایک سفید چادر لے لیتی ہیں۔ دروازہ میں سے ایک دم پچاس آدمی گذر سکتے ہیں اور غار کے اندر بھی ایک ہزار آدمی تک آ سکتے ہیں۔ جب لوگ اندر داخل ہو جاتے ہیں۔ تو چھت کے پتھروں میں سے جو ہمیشہ نم ناک رہتے ہیں۔ بجائے قطرہ قطرہ پانی آنے کے خود بخود ذرا زیادہ ہو جاتا ہے۔ جس سے بھبوت وغیرہ صاف ہوتی جاتی ہے اسی دوران میں لوگ کچھ اس قسم کے کلمات کہتے ہیں جن کا مطلب یہ ہے کہ اب ہمیں درشن دو۔ اسیوقت ایک سوراخ میں سے کبوتروں کا ایک خوبصورت جوڑا نکلتا ہے۔ اور غار کے اندر ہی چار پانچ دفعہ چکّر لگا کر پھر غائب ہو جاتا ہے۔ بس اسی کا نام امرناتھ جی کا درشن ہے۔ یہ کبوتر کبھی سُرخ و سفید اور کبھی بالکل سفید رنگ کے ہوتے ہیں۔ پانچ چھ گھنٹہ تک تمام لوگ اشنان سے فارغ ہو جاتے ہیں۔ اور جب ایک ہجوم جا لینے کے بعد دوسرا آتا ہے تو کبوتر پھر اُسی طرح باہر نکلتے اور چکّر لگا کر غائب ہو جاتے ہیں۔ یہ میلہ ماہ ساون میں ہوتا ہے۔ پولیس سپیشل جج۔ تحصیلدار اور ڈاکٹر بھی یہاں عارضی انتظام کے لئے ریاست کی

طرف سے آتے ہیں - اور بدمعاشی یا شرارت یا بلوہ والوں کو وہیں (عموماً جرمانہ کی) سزا بھی دیجاتی ہے - بعض بدمعاش لوگ غار کے اندر عورتوں کو چھیڑنے کے لئے بالکل برہنہ ہو جاتے ہیں - بعض سادھو اور بیراگی پنجاب اور دُور دراز کے مقامات سے اکثر شریف زادیوں کو اغوا کر کے لے آتے ہیں - انہیں بدکرداروں کی وجہ سے اکثر متبرک مقامات سے برکت اور فیض بھی اٹھتا جاتا ہے - افسوس کہ یہ پُر فضا مقام بھی جہاں درحقیقت سوائے عبادت کے کوئی اور دنیاوی کام کرنا نہایت نازیبا ہے - اور جو ایک بلند ترین اور دُور دراز جگہ پر واقعہ ہے - ان ناپاک اور گندہ طبیعت لوگوں سے محفوظ نہیں رہا - عورتیں خصوصاً پنجاب کی سونے کے کڑے اور کانوں کی طلائی بالیاں تک نذریں دے جاتی ہیں - میلہ تو صرف ایک دن رہتا ہے - مگر برف بارہ مہینے ہی بستر جمائے رکھتی ہے*

متفرق عادات اور دلچسپ حالات

زبان کشمیری زبان کی طرز تحریر ہی نہ صرف عربی فارسی کی مانند ہے - بلکہ حروف ابجد بھی اُردو حروف ہی کی طرح ہیں - کشمیری زبان میں فارسی کی ملاوٹ کثرت سے ہے - کئی الفاظ خالص فارسی اور اکثر فارسی سے بگڑے ہوئے ہیں - خواندہ آدمی کی گفتگو میں کئی الفاظ خالص فارسی یا اُردو کے ہوتے ہیں - البتہ دیہاتیوں اور بے علم لوگوں کی زبان دشوار ہوتی ہے - یہاں بعض لفظوں کے کئی کئی معنی لئے جاتے ہیں - مثلاً سُور بمعنی خنزیر - بمعنی راکھ - بمعنی سنگ بست یعنی دریا کی دیوار - گور بمعنی قبر بمعنی سنگارہ بمعنی قند سیاہ وغیرہ دور بمعنی دوڑنا - بمعنی کوچہ - بمعنی دُکان بافندہ - کشمیری زبان میں کئی تصانیف قصے کہانیاں علم اخلاق علم تواریخ وغیرہ کی موجود ہیں - ایک دو اشعار بھی کشمیری زبان کے ملاحظہ ہوں - ع

اتھمس واو س چھیوٗس حاوت شرہ راوس ڈیھ گومتا ایسے درد میں جو آج شرا رود سے بھی بڑھ گیا ہے	سو دلبر یا ستمگر گوٗمہ آسُن از لرے امشب وہ دلبر یا ستمگر آج رات میرے پہلو میں چاہئے تھا

اچھر والک قلم کرہ ہا زخونِ دیدہ شُوے پرہ ہا	یہ سوزِ جان دِ دل لکھہ ہا مگر تس کُس پرے اشب
مژگان کو قلم بنا کر آنکھوں کے خون کی سیاہی ڈالکر	یہ اپنے دل وجان کا سوز لکھتا مگر وہاں پڑھیگا کون

اب چند فقرے کشمیری زبان کے معہ اُردو کے لکھے جاتے ہیں:-

اُردو	کشمیری	اُردو	کشمیری
تُم کب آئے	تُھی کرہ عوو +	یہاں سے اسلام آباد کتنی دُور ہے +	یتہِ پیٹھ اسلام آباد کوتاہ دورِ چھو
کل آیا ہوں	راتھ چھس آمُت +	۱۶ کوس	شُراکروہ
اس کتاب کی کیا قیمت ہوگی +	یتھ کتابے کیا قیمت آسے	دھوبی کو کپڑے دے آؤ +	دُبس دِہ پالاؤ
بس یہی دو چار آنے +	بس یہی ژ چور آنہ	کشمیر میں سردی بہت ہے +	کشمیر اندر چھا سٹھا تُورِ

بیٹھو - اُٹھو - جاؤ - کھاؤ - پکڑو - پانی لاؤ - روٹی کھاؤ - ہٹو - ولا یوڑ -

بہو - وُتھو - گچھ - کھ - رٹھ - آب ترش آن - چُٹ کھ - او - اودھر آؤ -

اکثر کشمیری اُردو بولتے اور سمجھتے ہیں - بعض لوگ خصوصاً تجارت پیشہ انگریزی میں بھی گفتگو کر سکتے ہیں - جس طرح پنجاب اور ہندوستان میں خانساماں - بہرے - اور بعض کوچبان روزمرہ کے معمولی انگریزی الفاظ سمجھ لیتے ہیں - اسی طرح یہاں بھی ہانجی لوگ اور بعض اور آدمی جن کا انگریزوں سے سابقہ رہتا ہے - ٹوٹی پھوٹی انگریزی سے اپنا مطلب نکال لیتے ہیں +

سرائیں اور شفاخانے سرائیں یہاں تین ہیں - جنمیں "حاجیوں کی سرائے" جو صفا کدل کے پاس ہے زیادہ مشہور ہے - یہاں لداخ - تبت - یارقند اور تمام وسط ایشیا کے تاجر اور مسافر ٹھیرتے ہیں - ایک سپاہی پہرہ پر رہتا ہے - دو سرائیں بکّوں کی ہیں - جن میں مسافر بھی ٹھیر سکتے ہیں - مگر لوگ عموماً اپنے دوست واحباب یا رشتہ داروں کے پاس قیام کرتے ہیں - صاحب توفیق ہوس بوٹ یا ڈونگہ کرایہ پر لے لیتے ہیں - مکان بھی کرایہ پر مل سکتے ہیں - مگر وہ بہت چھوٹے اور تنگ اور کرایہ میں مہنگے ہوتے ہیں - سٹیٹ ہاسپٹل حضوری باغ کے میدان کے متصل بر لب دریا ایک عمدہ عمارت میں ہے - ایک دو ڈسپنسریاں بھی ہیں چند پرائیویٹ ہسپتال بھی ہیں جن میں مشن ہسپتال بہت مشہور و مقبول ہے +

چند خاص عجائبات کشمیر میں یوں تو بہت سے عجائبات دیکھے۔ مگر مندرجہ ذیل چھ چیزیں خصوصیت سے عجیب تر تھیں۔ اوّل گھاس کا جُوتا۔ عموماً دیہاتی اور غریب کشمیری (جن کی تعداد لاکھوں تک ہے) گھاس کے لمبے لمبے تنکوں کو جوڑ توڑ کر ایک عجیب قسم کا جُوتا بنا لیتے ہیں جو پنجاب کی چپلی نما جُوتے کے نمونہ پر ہوتا ہے۔ اس جُوتے کو کشمیری میں پُل ہور کہتے ہیں۔ عورتیں اس کو عموماً پہنتی ہیں۔ دوم لکڑی کا چراغ بڑے بڑے شہروں مثلاً سرینگر۔ بارہ مولا۔ سوپور۔ اسلام آباد وغیرہ میں تو موم بتی لالٹین۔ لیمپ وغیرہ دستیاب ہو جاتے ہیں۔ مگر دیہات میں ٹین کا دیا تک بھی محال ہے۔ وہاں عموماً لکڑی کی شمعیں جلائی جاتی ہیں۔ جن کی ترکیب یہ ہے کہ دیار کی لکڑی کی پانچ سات تیلیوں کو اکٹھا کر کے اور رسی سے باندھکر سب سے اُوپر کے حصے کو آگ لگا دیتے ہیں۔ اگر اس سے مشعل کا کام لینا اور کسی رئیس یا حاکم کے جلو میں جانا منظور ہو۔ تو آٹھ دس مشعلچی ان تیلیوں کو لمبے لمبے بانسوں سے باندھکر آگے پیچھے چلتے ہیں اُسوقت یہ نظارہ نہایت دلفریب معلوم ہوتا ہے ۱۹۰۶ء میں جب لارڈ منٹو بہادر ویسرائے و گورنر جنرل سیر کشمیر کو تشریف لائے تھے۔ تو زینہ گر کے تمام پہاڑوں پر (جو ویسرائگل کیمپ سے چھ سات میل کے فاصلہ پر تھے) ہزارہا کی تعداد میں لکڑی کے چراغ روشن کئے گئے۔ حضور ویسرائے چوب چراغ کے اس نظارہ سے نہایت محظوظ ہوئے تھے۔ مگر گھروں میں جب چراغ کی ضرورت ہوتی ہے۔ تو ایک ہی لکڑی سے کافی روشنی ہو سکتی ہے۔ سوم پانی کی سوئی۔ کثرت برف باری کے دنوں میں جب کبھی دن کو آفتاب نکلتا ہے۔ تو برف کسیقدر گل جاتی ہے۔ اور اُس میں پانی پیدا ہو جاتا ہے۔ رات کو جب برف پھر یخ بستہ ہو جاتی ہے۔ تو وہ پانی لوہے کیطرح مضبوط ہو جاتا ہے یہانتک کہ اُس پر اگر گھوڑے اور بیل بھی گذریں تو اُس کو کچھ خبر نہیں ہوتی بعض وقت دریا۔ نالے کُوئیں اور چشمے بھی یخ بستہ ہو جاتے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ قدرت نے بہت بڑے شیشے زمین پر لگا دیئے ہیں۔ ہانجی عورتیں ان برفوں پر اکثر شالی کوٹتی ہیں۔ اور جب پانی کی ضرورت ہوتی ہے تو بڑے بڑے

پتھروں سے منجمد برف کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے نیچے سے پانی نکالتی ہیں۔ اکثر ایسا بھی ہوتا ہے کہ اُوپر برف ہے نیچے دریا یا ندی نالے ہیں۔ ان سب کے اُوپر حضرت انسان مزے سے چل رہے ہیں۔ مکانوں کے چھتوں کی برف جب تابش آفتاب سے گل جاتی ہے۔ تو رات کو اُس کا پانی معلق یخ بست ہو کر بڑی بڑی لاٹھیوں کی طرح چھت کے کناروں پر خود بخود لٹک جاتا ہے۔ اسی کو پانی کی لکڑی کہتے ہیں۔ اس موسم کے متعلق ایک کشمیری شاعر نے مندرجہ ذیل اشعار موزوں کئے ہیں ؎

شد از چرخ نازل بلائے شگرف	کہ شد صحن تا بام یکساں ز برف
زمیں را چناں بست فرش بلور	کہ مے لرزد از جائے خود پائے مور
نمایان یخ ہا مے از ہر کنار	چو آویختہ نیزۂ آبدار
ز تاثیر خود آب دلکش شدہ	بسوز ندگی شل آتش شدہ
زخوف برودت و آثار برف	بپوشید چار آئینہ بہر حرف

دُودھ کی روٹی۔ نانِ شیر جس کو کشمیری میں گرار کھتے ہیں عام طور پر نہیں بنائی جاتی بلکہ اسے صرف گوجر لوگ ہی بناتے ہیں۔ جو گرمیوں میں سرحدات کشمیر کے بلند پہاڑوں پر اور سردیوں میں کشمیری آبادیوں میں رہتے ہیں۔ پہلے دُودھ کو جوش دیتے ہیں پھر منجمد کر کے کسی چوڑے برتن میں روٹی کی شکل میں ڈھال لیتے ہیں۔ عام روٹی وزن میں پاؤ ڈیڑھ پاؤ اور قیمت میں تین چار پیسے کی ہوتی ہے۔ ہر روٹی میں قریباً سیر ڈیڑھ سیر دُودھ ہوتا ہے۔ گھاس کی بوری۔ سن کی رسیوں کیطرح زمیندار لوگ گھاس کی رسیاں بنا کر بوری کا نمونہ بنا لیتے ہیں جسکو کشمیری میں یت رن کہتے ہیں ہر یترن میں دس بارہ ترکھ (فی ترکھ ۶ سیر) غلہ آجاتا ہے۔ زمین کی چوری۔ ڈل کی سیر کو جاؤ۔ تو پانی میں اکثر مصنوعی زمینیں نظر آتی ہیں۔ لکڑیوں کا ایک تخت پوش سا بنا لیتے ہیں۔ اُس پر مٹی ڈالکر نہ صرف ہر فصل بوئی جاسکتی ہے۔ بلکہ درخت بید سفید بھی۔ انار وغیرہ بھی ہوتے ہیں۔ جب کوئی زمین کی چوری کا ارادہ کرتا ہے تو پانچ چار ہمراہیوں کو لیکر اُس مصنوعی زمین کو کشتی کیطرح پانی میں دھکا دیتا ہے۔ اور کوس

دو کوس تک مع فصل و درخت وغیرہ لے جاتا ہے۔ ہوا اگر زور سے ہو تو یہ زمین مع فصل متحرک ہوتی رہتی ہے ؛

کشمیری عورتیں

کشمیر کی عورتیں کام کرنے میں مردوں سے کسیطرح کم نہیں۔ سبزی فروشی۔ کشتی۔ نان بائی۔ کھیتی باڑی اور مزدوری کے اکثر کام انہیں کے ہاتھوں سرانجام ہوتے ہیں۔ دیہات میں یہ ہر کام میں مردوں کے دوش بدوش دیکھی گئی ہیں۔ فصلیں کاٹتی۔ بوجھ اُٹھاتی اور گھاس کھودتی ہیں۔ میں ۲۔ نومبر کو سرینگر سے براہ خشکی سوپور جا رہا تھا دُور سے ایک جمِ غفیر نظر آیا۔ جیسے کوئی فوج کہیں کوچ کر رہی ہے۔ نزدیک آنے پر معلوم ہوا کہ کشمیری عورتیں جو قریباً ڈیڑھ دو سو کے قریب تھیں۔ سروں پر رسیاں اور درانتیاں رکھے گھاس کاٹنے جا رہی ہیں۔ سردی گو شدت سے تھی۔ اور ہر چند ابھی طلوع آفتاب بھی نہیں ہوا تھا۔ مگر یہ افلاس زدہ گروہ جس میں کئی ایک دولت حسن سے مالا مال تھے۔ کشمیری زبان میں "لو۔ لو" گاتا خراماں چلا جا رہا تھا۔ کشمیر جن خوبیوں کے لئے خطۂ بے نظیر کے نام سے مشہور ہے۔ اُنمیں ایک حُسن و جمال بھی ہے۔ جس کو زیادہ تر بے پردگی نے طشت از بام کر دیا ہے۔ باوجود حسن کی کثرت اور بے پردگی کے یہاں بہ نسبت اور ملکوں کے فسق و فجور بہت کم ہے۔ حالانکہ تعلیم یافتہ ممالک کے ہر گلی کوچہ میں۔ ع

جو کوئی ہے قیس مادر زاد ہے

یہاں کے باشندے عموماً خوبصورت ہوتے ہیں۔ شریف اور امیرانہ گھروں کے سوا پردہ یہاں بہت کم ہے۔ کبھی کبھی کسی عمر رسیدہ عورت کو بُرقعہ اوڑھے دیکھا ہے۔ عموماً زن و مرد زمین پر سوتے ہیں۔ کچھ عادتاً بھی اور کچھ افلاس کے باعث بھی۔ جس ملک کے مرد تعلیم و تہذیب سے غیر مانوس ہوں۔ اُس ملک کی بدنصیب عورتوں کی حالت بخوبی ذہن میں آسکتی ہے۔ تاہم دردمندان قوم نے چھوٹے سے پیمانہ پر ایک اسلامیہ گرل سکول سرینگر میں کھولا ہے۔ جس میں چند لڑکیاں۔ عربی۔ فارسی۔ اردو کی تعلیم پاتی ہیں ؛

دربار دسہرہ کشمیر

۱۵۔ اکتوبر کی شام کو شیر گڈھی کے دربار ہال میں یہ دربار منعقد ہوا۔ ہال بہت بڑا وسیع و ارفع تھا۔ اس کے در و دیوار اور فرش فروش سے کشمیری صنعت

وحرفت کے نمونے ظاہر ہو رہے تھے۔ سامنے کی دیوار پر مہاراجہ رنبیر سنگھ آنجہانی کی پُر شوکت تصویر ایک خوبصورت چوکھٹے میں آویزاں تھی۔ اسسٹنٹ گورنر صاحب ہر ایک کو درجہ وار بٹھاتے جاتے تھے۔ جن میں معززین۔ رؤسا۔ ساہوکاران۔ جاگیرداران۔ اور جنگی وملکی افسران وغیرہ شامل تھے۔ جب سب لوگ قرینے سے بیٹھ گئے۔ تو مہاراجہ صاحب بہادر معہ سر راجہ امر سنگھ صاحب و پرنس ہری سنگھ صاحب تشریف لائے۔ سب سے پہلے سر راجہ صاحب اور میاں ہری سنگھ صاحب نے یکے بعد دیگرے نذریں پیش کیں۔ ان کے بعد جنگی وملکی افسران۔ جاگیرداروں اور معزز عہدہ داروں اور رئیسان شہر نے بھی نذریں دکھائیں۔ جن کو رائے بہادر دیوان امرناتھ صاحب فارن منسٹر لیتے رہے۔ اسی دوران میں پنجابی اور کشمیری ناچ گانا بھی ہوتا رہا۔ کشمیری طوائفیں تین تین اکٹھی ہو کر ناچتی اور گاتی تھیں۔ آواز بھاری اور سُر لمبا تھا۔ زبان سے عام لوگ ناواقف تھے۔ ایسی حالت میں جو لطف آسکتا ہے وہ معلوم ہے۔ جب نذریں ختم ہو چکیں۔ تو (قریباً ۱/۲ گھنٹہ کے بعد دربار برخاست کیا گیا ؎

کشمیر کی سیرگاہیں اور تفرحی مقام

یوں تو اس بے نظیر سرزمین کا چپہ چپہ گل و گلزار اور سبزہ زار کی دلچسپیوں سے بھرا ہوا ہے۔ مگر جو مقام خاص طور پر مشہور ہیں۔ اور جن میں اکثر سیاح لوگ تفرحت و سیر کو آیا کرتے ہیں۔ اُن کا نام معہ کیفیت راہ و فاصلہ از سرینگر درج کیا جاتا ہے:۔

نام مقام	فاصلہ از سرینگر	کیفیت راہ	نام مقام	فاصلہ از سرینگر	کیفیت راہ
ویری ناگ	۵۴ میل	بذریعہ سڑک۔ ٹم ٹم	عیش مقام	۴۰ میل	ٹم ٹم
دورو	۴۰ "	" "	پہل گام	۴۸ "	ٹم ٹم
اچھ بل	۳۵ "	" "	بج بہارہ	۲۷ "	کشتی و ٹم ٹم
اسلام آباد	۳۰ "	کشتی و ٹم ٹم	شنگم	۲۴ "	" "
مٹن	۴۳ "	ٹم ٹم	کولہ گام	۳۵ "	" "

نام مقام	فاصلہ از سرینگر	کیفیت راہ	نام مقام	فاصلہ از سرینگر	کیفیت راہ
اچھ بل	۳۴ - میل	پیدل - گھوڑا	آنچار	۲ - میل	کشتی - ٹم ٹم وغیرہ
شوپیاں	۲۵ "	" "	دوورہامہ	۳ "	" "
شادی مرگ	۲۲ "	" "	مانس بل	۱۰ "	" "
ہری پور	۳۰ "	" "	لانک	۱۸ "	کشتی جھیل ولر میں ایک جزیرہ غیر آبادی
بل وامہ	۲۵ "	" "	گلمرگ	۱۹ "	ٹم ٹم وغیرہ
نائگام	۷ "	ٹم ٹم	لولاب	۶۰ "	" "
گگنج تپھری	۲۰ "	گھوڑا - پیدل	دوآبگاہ	۳۰ "	کشتی - ٹم ٹم
پام پور	۸ "	ٹم ٹم - گھوڑا - کشتی	بارہ مولہ	۳۵ "	" "
چشمہ شاہی	۴ "	کشتی - ٹم ٹم وغیرہ	سوپور	۳۰ "	" "
تیل بل	۴ "	" "			

وادیٔ کشمیر

کشمیر کا علاقہ دراصل کوہالہ سے شروع ہوتا ہے - مگر جس کا نام وادیٔ کشمیر ہے اُس کی ابتدا بارہ مولہ سے ہے - اور اسی لئے اس کو "کشمیر کا دروازہ" کہتے ہیں خدا کی شان ہے کہ سربفلک پہاڑوں کے درمیان بارہ مولہ کی سرزمین میں داخل ہوتے ہی ایک ایسا وسیع میدان نظر آجاتا ہے جس کی بظاہر کوئی توقع نہیں ہوتی - اسی میدان کا نام وادیٔ کشمیر ہے - اس کی حدود پر مندرجہ ذیل مقامات ہیں - ویری ناگ مکان بابا داؤد شہروردی - پہل گام - ہرد پورہ - سونہ مرگ - کلاروچ - مانتری گام ورناؤ - میل یال - چنز گام - شالکوٹ - نبگس - گلمرگ - بارہ مولہ - وادیٔ کشمیر کا طول سوا سو میل اور عرض ۴۰ میل کے قریب ہے - گلگت - دراس - سکردو - لداخ بلتستان - وغیرہ گو ماتحت ریاست کشمیر ہی کے ہیں - مگر وادیٔ کشمیر سے اُن کا کوئی تعلق نہیں - وہ اس وادی سے بہت دور ہیں - اور درمیان میں بڑے بڑے پہاڑ حائل ہیں - وادی کا قریباً تمام علاقہ زرخیز - شاداب اور سرسبز ہے ؎

کشمیریوں کی لڑائی کشمیریوں کی ادنیٰ قومیں مثلاً ہانجی - کنجر - باتل وغیرہ نہایت ضدی اور جنگجو ہیں۔ چشم زدن میں گالیوں سے ہاتھوں اور ہاتھوں سے لاٹھیوں تک نوبت پہنچ جاتی ہے - عورتیں - مرد - لڑکے اس کثرت سے جمع ہو جاتے اور اس شوق سے دُور دُور سے دوڑ کر آتے ہیں - کہ جیسے کوئی تماشا ہو رہا ہے - عورتیں مردوں سے اور مرد عورتوں سے گتھم گتھا ہو رہے ہیں - کسی کا سر پھٹ گیا ہے - کسی کی ٹانگ ٹوٹ گئی ہے - کسی کو کہیں ضرب آگئی ہے - اور کسی کا دانت ٹوٹ گیا ہے - عورتیں روتی بھی جاتی ہیں - اور ہاتھ بھی چلائے جاتی ہیں - غرض ان کی جہالت و بدتمیزی کا ایک عمدہ فوٹو کھچ جاتا ہے - مگر یہ لوگ ہیں بڑے سیانے - باوجود اس جنگ وجدل کے پولیس میں رپورٹ نہیں کرتے - بلکہ اپنے محلہ یا قصبہ کے رئیس کے پاس مقدمہ فیصلہ کو لیجاتے ہیں جس کا انجام ہمیشہ مصالحت پر ہوتا ہے ؎

لباس لباس اس ملک کا نہ صرف گندا اور میلا ہی ہوتا ہے - بلکہ نہایت بدنما اور بے ستر بھی ہے - مرد سر پر پگڑی یا ٹوپی پہنتے ہیں ایک لمبا کرتہ (پھرن) گھٹنوں تک گلے میں ہوتا ہے بعض پاجامہ پہنتے ہیں بعض نہیں پہنتے - مگر یہ تو یقینی امر ہے کہ پندرہ سولہ سال کے لڑکے بھی سوائے پھرن پہننے کے "الف ننگے" ہوتے ہیں - سر کے بال عموماً منڈوا ڈالتے ہیں - عورتوں کا لباس زیادہ تر قابل اصلاح اور قابلِ شرم ہے - سر پر ایک ٹوپی نما کپڑا سرخ سیاہ یا سفید رنگ کا ہوتا ہے - اُس پر ایک دوپٹہ جسے رومال کہنا چاہئے ڈال لیتی ہیں - گلے میں ٹخنوں تک پھرن ہوتا ہے - باقی اللہ اللہ خیر سلا - مسلمان قوم کو لباس کی تبدیلی کیطرف ضرور توجہ کرنا چاہئے - پھرن پر آٹھ گز کے قریب کپڑا خرچ ہوتا ہے جس میں ایک پنجابی عورت نہایت پردہ دار لباس تیار کر سکتی ہے - اکثر تعلیم یافتہ اور معزز خاندانوں نے لباس ایک حد تک تبدیل کر لیا ہے - اور اُمید ہے کہ جوں جوں تعلیم اپنی روشنی دکھاتی جائیگی - ان لوگوں کو جو تاریکی وظلمت میں چاروں طرف سے گھرے ہوئے ہیں - اپنے عیب خود بخود نظر آتے جائینگے - اور ایک زمانہ آئیگا جس کے لئے ابھی ایک عرصہ درکار ہے کہ جس طرح غیر ممالک کے لوگ ملک

کشمیر کی تعریف میں رطب اللسان ہیں۔ اسیطرح کشمیریوں کی تعلیم و تہذیب کے بھی گیت گاتے نظر آئینگے +

متفرق عادات

چائے۔ قہوہ۔ مچھلی۔ چاول۔ نسوار اور ہاک (ساگ) یہاں کی قومی خوراک اور قومی عادت ہے۔ جہاں اور جس جگہ آپ جائیں چائے قہوہ ضرور ملیگا۔ دعوت خواہ کیسی ہی پُرتکلف کیوں نہ ہو۔ ساگ اُس میں لازمی ہے۔ یہاں رات دن بھت (چاول) کھاتے ہیں۔ روٹی کا بہت کم رواج بلکہ بالکل نہیں ہے۔ چھوٹے درجہ کے اور غریب لوگ ایک ہی وقت کھانا پکاتے ہیں اور اُسی کو دو وقت کھا لیتے ہیں یہاں کی خوراک عام طور پر بہت زیادہ ہے۔ ہمارے پنجاب کے دو آدمیوں کا کھانا ایک دیہاتی کشمیری نہایت آسانی سے بے ڈکار ہضم کر سکتا ہے۔ غریب امیر کانگڑی کو پہلو میں دبائے رکھتے ہیں۔ بچے سے بوڑھے اور عورت سے مرد تک اس سے خالی نہیں ہوتے۔ بیکار ہوں یا باکار۔ گرمی ہو یا زمستان۔ شادی میں ہوں یا غمی میں۔ اس خانہ سوز (کانگڑی) کی جدائی گوارا نہیں کر سکتے۔ حالانکہ اکثر مرد و زن اس کی مصاحبت سے اپنے کپڑے اور اپنے پیٹ اور دیگر اعضا جلا چکے ہیں۔ اور شاید کئی جانیں بھی تلف ہو چکی ہیں سُستی اور نحوست کا بہت بڑا ذریعہ یہی کانگڑی ہے۔ یہاں کے بعض کشمیری کہتے ہیں کہ کسی بادشاہ نے ہمیں نکما اور بے دست و پا بنانے کے لئے یہ لباس (پھرن) اور یہ کانگڑی ایجاد کی تھی۔ جب سے ان دونوں کو ہم نے اختیار کیا ہے ہم بالکل نکمے ہو گئے ہیں۔ مگر ان کو اب ہم ترک بھی نہیں کر سکتے۔ کیونکہ یہ ہمارے ملک کی پہچان اور ہمارا قومی رواج ہے۔ لیکن میرا ذاتی خیال یہ ہے کہ جب تعلیم کی یہاں کثرت ہو جائیگی۔ تو یہ عادات خود بخود ترک ہوتی جائینگی۔ چنانچہ پڑھے لکھے اور معزز کشمیری پھرن اور کانگڑی تقریباً ترک کر چکے ہیں۔ کانگڑی کے متعلق یہاں بیسیوں شعر مشہور ہیں چند ایک درج ذیل ہیں ؎

کانگڑی در بغل بگو چون است	لیلےٰ در کنار مجنون است
گہ بہ پس میبرند گہ بہ پیش آورند	ہمچو جلوس ماکیاں حالت بیضہ پروری

کانگڑی اے کانگڑی	۵	قربان تو حور و پری
گرنباشد بے بی اندر زنار پناہ	۵	جان شیریں مے برآید خواہ مخواہ

یہاں کھلے میدانوں - دریا کے کناروں اور اکثر محلوں میں شام کو پانچ سات لڑکیاں مل کر گاتی ہیں - اور یہی اُن کی تفریح طبع ہے - لبو لبو سُران معصوم پریرویان کشمیر کے مُنہ سے کیا بھلے معلوم ہوتے ہیں - یہاں کے عام باشندوں میں خود غرضی - حسد اور جھوٹ کا مادہ بہت ہے اور اس کی شکایت کثرت سے سُنی گئی ہے - غرض کشمیر "ز فرق تا بقدم" اصلاح اور ترمیم و تنسیخ کے قابل ہے +

کشتیاں کشتیاں بارہ مولا ہی سے شروع ہو جاتی ہیں جو سرینگر سے ۳۲ میل کے فاصلہ پر پنجاب کیطرف ہے - کیونکہ یہاں سے پانی ہموار اور بالکل خاموش ہوتا ہے - کشتیاں کئی قسم کی ہیں - ایک شکاری کہلاتی ہے - جس پر چند آدمی بیٹھکر دریا کی سیر کرتے ہیں - یا انگریز لوگ مچھلی اور جانوروں کا شکار کھیلتے ہیں - انہیں شکاریوں کے ذریعہ دریا سے وار پار بھی ہوتے ہیں - صرف دھیلا یا پیسہ محصول کا دینا پڑتا ہے - جسطرح لاہور - امرتسر یا اور بڑے بڑے شہروں میں ایک جگہ سے دوسری جگہ جانے کیلئے عموماً ٹمٹموں اور ٹانگوں وغیرہ سے کام لینا پڑتا ہے - بجنسہ وہی کام یہاں ان شکاریوں سے لیا جاتا ہے بقول عارف ؎

یہاں پانی کی سڑکیں اور بے پہیوں کی ہیں فٹنیں		بجائے کوچواں کے جن پہ بیٹھا ناخدا دیکھا

ایک قسم کا نام ڈونگہ یا کشتی ہے - جس پر بہت سے آدمی سوار ہو سکتے ہیں - اور جس کے اوپر اور ارد گرد بھی ہوا اور سردی سے بچنے کیلئے چھت اور پردہ ہوتا ہے - جو سب سے عمدہ اور اعلیٰ کشتی ہے اُس کا نام ہوس بوٹ ہے - ہوس بوٹ کسی فیشن ایبل مگر مختصر سی کوٹھی یا مکان یا بنگلہ سے کم نہیں ہوتے - سونے کا کمرہ الگ - بیٹھنے کا الگ - ملاقات کا الگ ہے - فرش فروش سے کمرے سجے ہوئے ہوتے ہیں - دیواروں پر بڑی بڑی تصویریں - اور مختلف قسم کے گلدستے اور سامنے دریا کا نظارہ عجب لطف انگیز ہوتا ہے - ان کا ماہوار کرایہ ۳۰ سے للعہ روپیہ سے سو ڈیڑھ سو روپیہ تک ہوتا

ہے۔ ان میں دیسی لوگ بھی قیام کرتے ہیں مگر بہت کم۔ عموماً صاحبان انگریز ہی ہوتے ہیں
سرینگر میں برلب دریا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کشتیوں اور ہوس بوٹوں کا ایک شہر آباد ہے
سیکڑوں کشتیاں ساحل کے ساتھ لگی ہوئی ہیں۔ اور بیسیوں دریا میں اِدھر سے اُدھر
چل رہی ہیں۔ ہوس بوٹ کے ساتھ ایک ڈونگہ (ملازموں اور کھانا پکانے کے لیئے)
ایک شکاری بھی (دریا کے وار پار جانے یا سیر کرنے کے لیئے) ہوتی ہے۔ بارہ مولا
میں جو چند نئی کشتیاں سرکاری طور پر بنائی گئی ہیں وہ نہ صرف قیمتی اور علم سائنس کا ایک اعلیٰ
نمونہ ہیں۔ بلکہ اُن کے ذریعہ سے دریا گہرا کیا جائیگا۔ اور دریا سے بڑے بڑے پتھر وغیرہ
نکالکر پانی بالکل ہموار کر دیا جائیگا۔ تاکہ ایک تو طغیانی کا خطرہ کم ہو جائے۔ دوسرے
ڈل کا پانی بھی جو کوسوں تک خشکی کا نام ونشان نہیں نظر آنے دیتا۔ مقدار میں تھوڑا
ہو جائے۔ اندازہ لگایا گیا ہے کہ اگر ڈل بھی گہرا اور عمیق کر دیا جائے۔ تو ایک لاکھ ایکڑ
اراضی قابل زراعت نکل سکتی ہے ان کشتیوں کا نام ڈریجر ہے۔ سب سے بڑے ڈریجر کا
افتتاح ۲۷ ستمبر ۱۹۰۷ء کو بارہ مولا میں ہوا تھا۔ اسی تاریخ کو ایک مختصر جلسہ میں ریذیڈنٹ
صاحب بہادر نے بجلی اور ڈریجر کے کام کے فوائد سمجھائے۔ مہاراجہ صاحب نے شکریہ
کیا۔ تمام اراکین دربار اور معززین اور اکثر صاحبان انگریز اور لیڈیاں بھی جلسہ میں رونق افروز تھیں

صنعت وحرفت

کشمیر میں کاغذ۔ لکڑی۔ اور کپڑے کا کام ایسا نفیس خوبصورت اور پائدار ہوتا ہے
کہ یوروپ وامریکہ تک جو صنعت وحرفت کی کان ہیں اس کا لوہا مان چکے ہیں۔ سلاطین یورپ
بالخصوص فرانس اور سلاطین مشرق بالخصوص شاہان ہند اور فرمانروایان افغانستان
کشمیر کے ریشمی اور پشمینہ کے کام پر فریفتہ تھے۔ فرانس میں برسوں کشمیری پشمینہ جاتا رہا
مگر جب سے ولایت والوں نے نقلی کام ایجاد کئے۔ اصلی پشمینہ کی مانگ بہت کم
ہوگئی۔ کشمیری پشمینہ کی رسائی مرحوم ملکہ وکٹوریہ تک بھی تھی۔ بلکہ جو فخر خاص خوشخبری
کے موقعہ پر اس کشمیری صنعت کو حاصل تھا۔ اُس کا اندازہ مندرجہ ذیل سطور سے ہو سکتا ہے
"ملکہ معظمہ کو جب لارڈ میئر۔ آرچ بشپ آف کنٹربری۔ اور لارڈ کننگھم ۲۰۔ جون ۱۸۳۷ء
کو (جبکہ ملکہ مرحومہ کی عمر ۱۹ سال سے زیادہ نہ تھی) تخت نشینی کی خبر دینے گئے۔ اُس

وقت صبح کے پانچ بجے تھے۔ شاہزادی بستر استراحت میں تھی۔ اور مندرجہ ذیل شب خوابی کے کپڑے زیب بدن تھے۔ پاؤں میں ہلکا سلیپر۔ بال کندھوں پر لٹکے ہوئے سر پر کشمیری شال جو نہایت خوبصورت و نفیس تھی" امیر عبدالرحمن خان مرحوم کی خود نوشتہ سوانحعمری دیکھئے۔ اسمیں کئی جگہ کشمیری دوشالوں کا ذکر آتا ہے۔ سلاطین مغلیہ بھی خلعت میں اکثر کشمیری شال کا تحفہ دیا کرتے تھے۔ اب بھی بڑے بڑے اُمرا اور والیان ریاست کا دلپسند دوشالہ کشمیری شال ہے۔ کشمیر کی موجودہ صنعت وحرفت دیکھنا ہو۔ تو عجائب خانہ سرینگر میں پیتل۔ چاندی زری۔ اور دوشالوں کا کام ملاحظہ فرمائیے۔ یہ کام دیکھکر عقل حیران ہوتی ہے کہ کیا یہ انہیں کشمیریوں کی دستکاری ہے۔ جو بے ہنری۔ جہالت۔ اور تاریکی و مفلسی میں عوام کا نشانہ ہیں۔ سرینگر میں لکڑی سونے۔ چاندی۔ پیتل اور کاغذ کے کام کے اب بھی کئی کارخانے ہیں۔ افسوس ہے کہ میں اس صنعت وحرفت اور ان بیل بوٹوں کی تصویر کھینچنے سے مجبور ہوں۔ اور حقیقت یہ ہے کہ جب تک خود اپنی آنکھ سے ان (عرف عام میں جاہل) کشمیریوں کی ذہانت وطباعی کے نمونے نہ دیکھے جائیں۔ اعتبار اور لطف نہیں آسکتا۔ کاغذ کا کام لکڑی کے کام کی طرح مضبوط اور پائدار ہوتا اور معلوم نہیں ہوتا کہ لکڑی ہے یا کاغذ۔ اخروٹ کی لکڑی کی مختلف قسم کی کرسیاں۔ میزیں۔ صندوقچیاں۔ فریم تصویروں کے۔ لفافے دان۔ قرآن مجید کی رحلیں۔ اور متفرق اشیاء انگریز نہایت شوق سے خریدتے۔ اور اپنے کارخانوں میں لیجاکر یہی چیزیں آٹھ گُنی قیمت پر فروخت کرتے ہیں۔ رنگ دار اور منقش کام بھی نہایت نفیس ہوتا ہے۔ اور بکثرت ممالک غیر میں جاتا ہے۔ اگر ان لوگوں کو باقاعدہ تعلیم و تربیت ہو۔ تو کچھ شک نہیں۔ کہ ولایت کے اعلیٰ کاریگران کے دماغ اور عقل اور ذہن رسا کے آگے ہیچ ثابت ہوں۔ مولانا حالی نے سچ کہا ہے ؎

عاری ہیں لباس تربیت سے ورنہ
ہیں بے ہنری میں قابلیت کے نشاں
پوشیدہ ہیں وحشیوں میں اکثر انسان
ہیں طوسی و رازی انہیں شکلوں میں نہاں

تمام شد

دیکھو یادگار وکٹوریہ مطبوعہ صدائے ہند پریس لاہور

انجمن [illegible] نصرت کشمیر میں قومی [illegible]

شکریہ

عالیجناب حکیم سید حسین صاحب رضوی تحصیلدار بارہ مولہ ۵۰ + عالیجناب خواجہ[۱]
عبدالغنی صاحب پلیڈر ہائی کورٹ کشمیر سوپور ۴۲ + عالیجناب مرزا جلال الدین صاحب
تحصیلدار ہندواڑہ ۲۶ + عالیجناب خواجہ صمد جو صاحب ککڑو رئیس اعظم بارہ مولہ ۱۷ + عالیجناب
مولوی عتیق اللہ صاحب سکرٹری نصرت الاسلام کشمیر ۱۴ + عالیجناب احمد میر صاحب ذیلدار
بانڈی پورہ ۶ + عالیجناب شیخ محمد حسین صاحب ٹھیکہ دار بانڈی پورہ ۵ + عالیجناب محمد بابا
صاحب ٹھیکہ دار سوپور ۵ + عالیجناب منشی غلام محمد صاحب خادم مینجر خادم ایجنسی سرینگر
۵ + عالیجناب راجہ[۲] شبیر علی خاں صاحب خلف راجہ اکبر علی خانصاحب جاگیردار کشمیر ۲ + عالیجناب
رحمان ڈار صاحب ٹھیکہ دار سوپور ۲ + عالیجناب خواجہ محی الدین صاحب سیٹ ہائی سکول
سرینگر ۱ + عالیجناب احسن قاضی صاحب عرائض نویس سوپور ۱ +

۱؎ ۲؎ خواجہ صاحب اور راجہ صاحب کا شکریہ خصوصیت سے ادا کیا جاتا ہے کہ ان صاحبان نے اپنے
شیرخوار اور نابالغ فرزندوں اور عزیزوں کے نام بھی اپنی گرہ سے قیمت دیگر رسالہ جاری کرایا۔ کاش دیگر برادران
قوم بھی اس علمی خیرات کی طرف توجہ فرمائیں +

تین مہینے کی غیر حاضری

ستمبر کے میگزین میں لکھا گیا تھا کہ نیازمند لاہور سے باہر ہے۔ اسلئے اکتوبر نومبر کے رسالے ۱۵۔ نومبر
کو اکٹھے شائع کر دیئے جائینگے۔ مگر افسوس ہے کہ مَیں اپنے سفر سے ۱۷۔ نومبر سے پیشتر نہ آسکا یہی
وجہ بھی کہ دو مہینو ںکا رسالہ بھی وعدہ پر روانہ نہو سکا۔ اب یہ سفرنامہ کشمیر جسکے ناظرین اور اکثر احباب
بیحد مشتاق اور منتظر تھے۔ قریباً سو صفحہ کے حجم پر بجاے اکتوبر۔ نومبر۔ دسمبر کے پرچہ کے ارسال خدمت
ہے بضمون کے علاوہ سفرنامہ کا کاغذ۔ لکھائی اور چھپائی جو کچھ ہے ناظرین کے سامنے ہے
اُمید ہے کہ محب قوم ناظرین اس قومی سفرنامہ کے مطالعہ سے ازبس محظوظ ہونگے۔ اگر ناظرین
توسیع اشاعت کیطرف توجہ کریں۔ اور میگزین کی اشاعت دو ہزار تک پہنچادیں۔ تو اس
سے بھی عمدہ کاغذ اور لکھائی وغیرہ کا انتظام ہو سکتا ہے۔ بلکہ ارادہ ہے کہ اسی قیمت
میں علاوہ کاغذ کی عمدگی وغیرہ کے عکسی تصاویر کا سلسلہ بھی قایم کیا جائے جیسا کہ مخزن
زمانہ وغیرہ میں ہے۔ اگر ناظرین اس سلسلہ کو پسند فرمائیں اور بواپسی اپنی اپنی رائے سے
مطلع فرمادیں۔ تو جنوری سنہ ۶ء کے میگزین ہی میں تصاویر کا سلسلہ جاری کیا جاسکتا ہی

خاکسار

محمد الدین فوق مہتمم کشمیری میگزین لاہور

جنوری کا میگزین وی پی ارسال ہوگا

اکثر اصحاب کا سال خریداری اکتوبر، نومبر اور دسمبر کو ختم ہو چکا ہے۔ مگر وی پی اس لیئے روانہ نہیں کیئے گئے۔ کہ رسالہ تین مہینے کی غیر حاضری کے بعد جاتا ہے۔ کہیں وی پی ناگوار نہ گذریں۔ تاہم بعض دردمندان قوم ایسے بھی ہیں۔ جنہوں نے رسالہ کی اس غیر حاضری میں نہ صرف خود ہی قیمت ارسال کی بلکہ دوست و احباب سے بھی قیمت بھجوائی۔ اب چونکہ اکثر حضرات کا سال جنوری سے شروع ہوتا ہے۔ اور پچھلے تین مہینوں کے رسالوں کی بجائے سفرنامہ کشمیر اُن کو پہنچ جائیگا۔ اس لیئے جنوری آئندہ کا کشمیری میگزین تمام ایسے حضرات کی خدمت میں جن کے سال خریداری ختم ہو چکے ہیں اور جن کیطرف سے کوئی جواب موصول نہوگا۔ بذریعہ وی پی پیکٹ عہ سالانہ قیمت میں ارسال خدمت ہوگا۔ جسے اُمید ہے کہ ہمدردان قوم وصول فرما کر اس قومی خادم کو ممنون و مشکور فرمائینگے۔ جن حضرات نے واپس کر دینا ہو۔ وہ براہ کرم بواپسی خطوط انکاری سے مطلع فرما دیں تاکہ اس قومی رسالہ کو مفت میں اور زیر باری نہو۔ مگر کیا ممکن ہے کہ کوئی ایسا سنگدل بھی قوم میں موجود ہو۔ جو باوجود قومی ضروریات سمجھنے اور قومی ارگن کے فوائد سے آگاہ ہونے کے عہ کے لیئے جو سال بھر میں ایک مرتبہ دینے پڑتے ہیں قومی عداوت اور قومی بے غیرتی کا ثبوت دے *

خاکسار مہتمم

پتہ منیجر کشمیری میگزین لاہور

قیمت ۱ر

اُردو میں ابھی تک کشمیر کے متعلق کوئی کتاب اس پایہ کی نہیں چھپی *

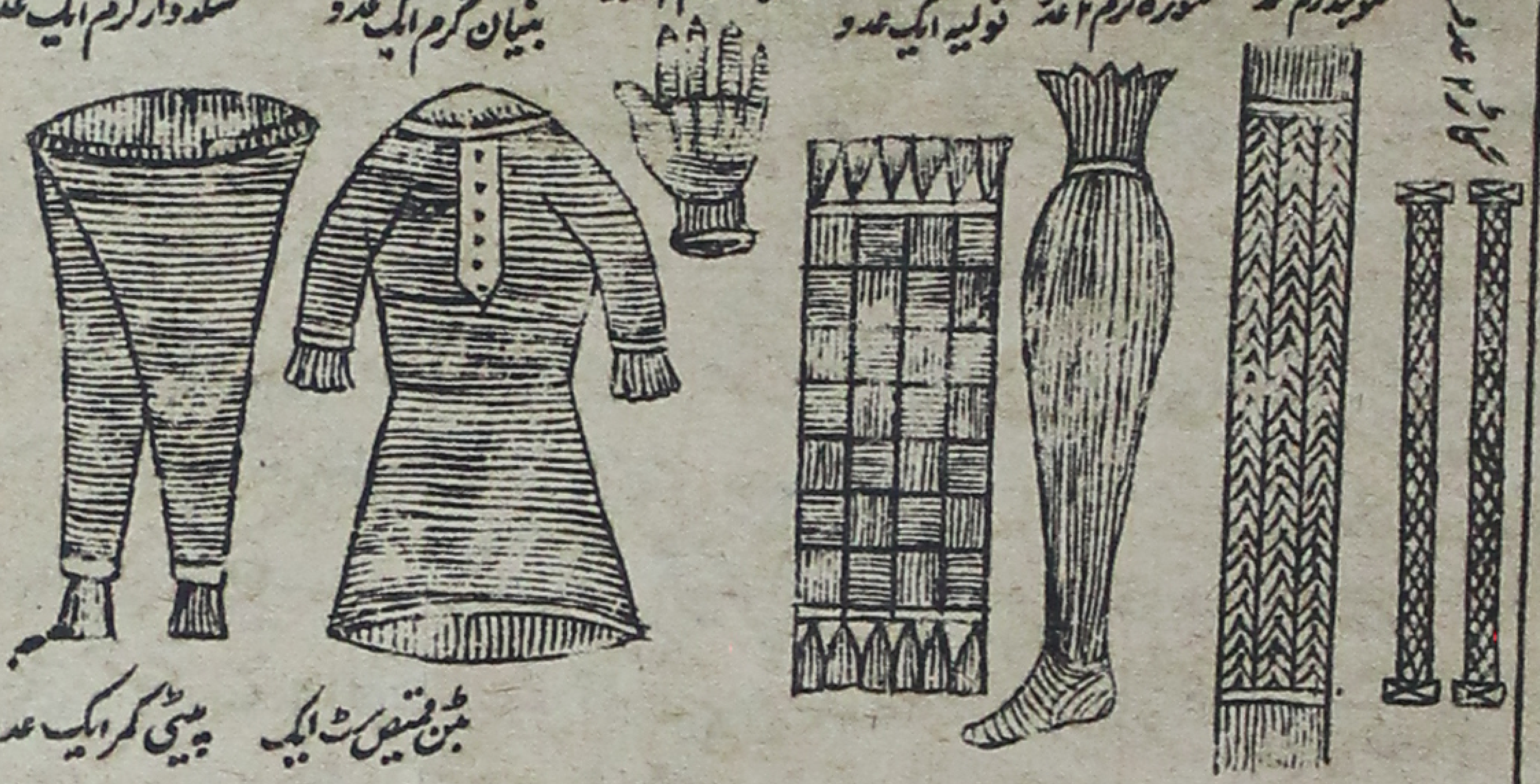
ہر مسلم سفرنامہ کو ضرور منگوا کر پڑھے

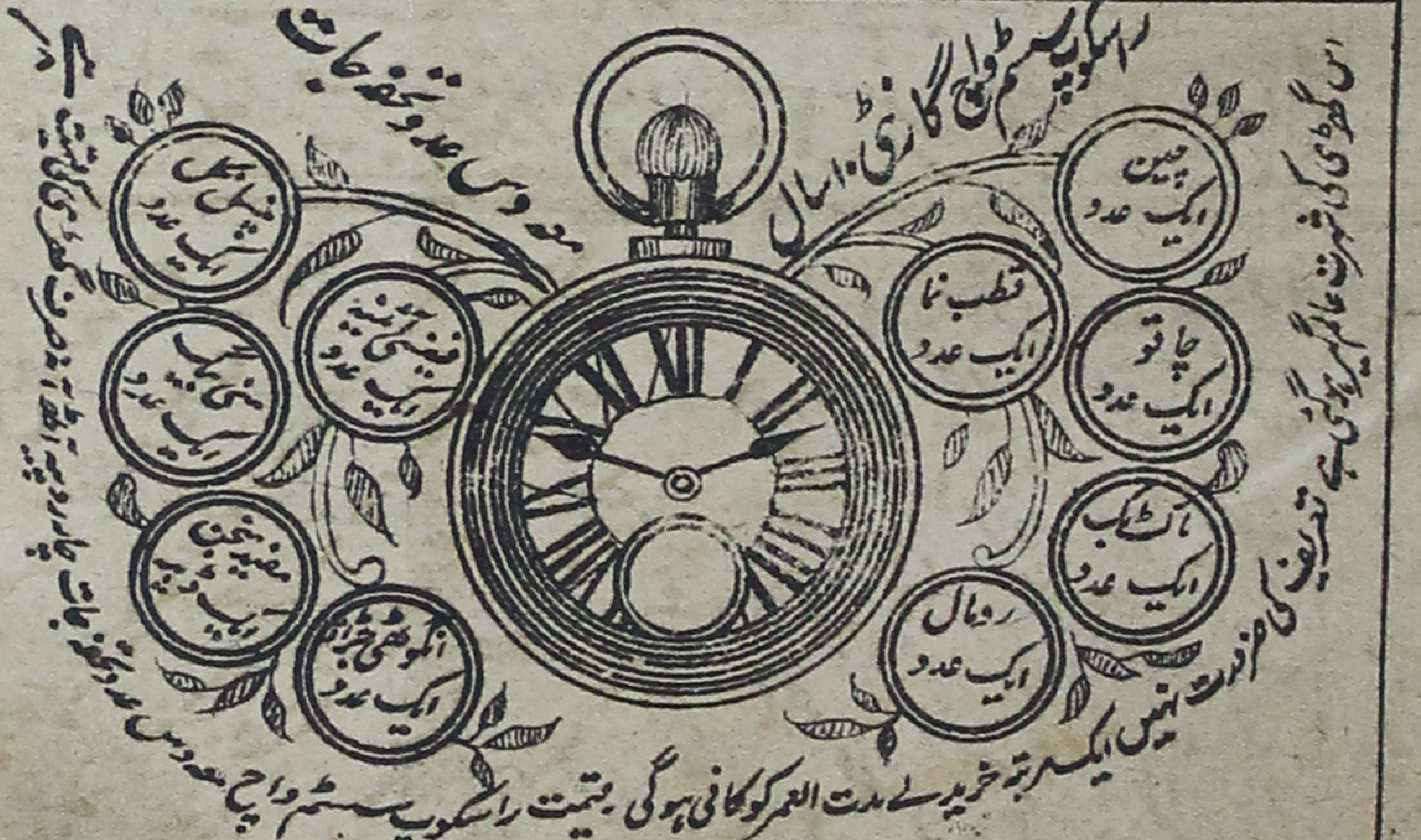
حالات کشمیر اور کشمیری تمدن و معاشرت سے آگاہ ہو

سفرنامہ کشمیر

کم خرچ بالانشین رفیق سرما کم منافع بہت بکری

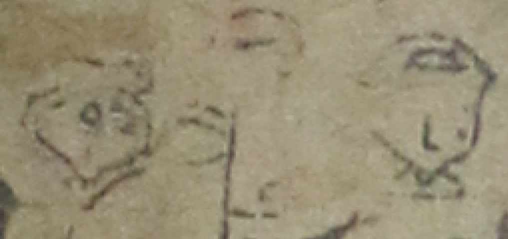
معزز احباب جو آپ اس سوٹ کو ضرور خریدیں موسم سرما میں آپ کو اس سے نہایت آرام ملے گا۔ سستا اور نہایت سستا سودا ہے۔ اگر آپ بازار سے رفیق سرما یعنی بارہ اشیاء کا سوٹ خریدنا چاہیں۔ اول تو یہ سب چیزیں شامل ہمارے کارخانہ کے ملنا مشکل اگر بالفرض مل بھی جائیں۔ تو دونی ڈیوڑھی قیمت سے کم نہیں ملیں گی۔ ہم کو اپنے کارخانہ کی شہرت مقصود ہے۔ اصلی قیمت نہایت کم رکھی گئی ہے۔ قیمت رفیق سرما یعنی ۱۲ اشیاء کے سوٹ کی قسم اول چار روپیہ آٹھ آنہ قسم دوم تین روپیہ آٹھ آنہ محصول پارسل بذمہ خریدار ۳ سوٹ کے خریدار کو ایک سچی جیبی گھڑی نہایت پائدار بلا قیمت دیجائے گی۔





پتہ:- حافظ رحیم الدین کمیشن ایجنٹ شہر دہلی حویلی کالے صاحب

كا خاص حمیدیہ ٹریڈنگ کمپنی لاہور کی جنتری ۱۹۰۸ء چھپ کر تیار ہے۔ درخواست آنے پر مفت روانہ ہوتی ہے



بٹنوں کے نادر سٹ

خالص چاندی کے نقل کنجی کی شکل کے نہایت خوشنما ہیں۔ قیمت قسم اول دو عدد دو روپے ... عا
دوم ... ۱۲ (عہ)
انکے علاوہ اور شکلوں کے بھی موجود ہیں



اصلی اور بہت سستی
راسکوپ پٹینٹ واچ

کھلے منہ کی پٹینٹ لیور واچ ہے پرزے نہایت پختہ جویل لگے ہوئے ہیں دس سال تک خراب نہیں ہوتی۔ کم خرچ بالانشین گھڑی
قیمت درجہ اول ... درجہ دوم ... عا



تحفہ مشہور عالم رسٹ واچ

بیکنا کی سوئی لگی ہوئی ہے۔ سوئیاں پھرانے کی پیچ موجود ہے۔ سائز چھوٹا ہے۔ جیب میں نہ لگ سکتی ہے۔ وقت ہمیشہ درست دیتی ہے۔ کلائی کی زینت اور نئے فیشن کا مردانہ زیور ہے۔ (اس کے پرزے نہایت پختہ ہیں۔ کیس اور بن نفیس گھڑی ...) قیمت درجہ اول پانچ روپیہ (صہ) درجہ دوم چار روپیہ چار آنہ درجہ سوم ... (۱۲ روپے)



مونچھیں بڑھانے کا نایاب تیل

اس کے استعمال سے مونچھیں بڑی بڑھ جاتی ہیں
قیمت فی شیشی صرف ۸ر

عالمگیری خضاب

یہ خضاب واقعی اس خضابوں کا بادشاہ ہے۔ کیونکہ ہمیں کسی طرح کا نقص نہیں یہ ایک قسم کا خضاب پوڈر ہے۔ جسکو حسب ہدایت بالوں پر لگانے سے بال سیاہ مثل اصلی بالوں کے ہو جاتے ہیں۔ جب ایک دفعہ بال سیاہ ہو گیا اس کا سفید ہونا مشکل ہے۔ البتہ اس بال کی کھونٹی ایک دو مرتبہ سفید نکلے گی چند دفعہ لگانے سے پھر بھی نہیں۔ پیکٹ ۱۲ عہ

پتہ۔ منیجر حمیدیہ ٹریڈنگ کمپنی کشمیری بازار لاہور

[illegible]

سلسلہ ... کا سلسلہ ... نہایت ... خصوصاً نقش ... اور ... قیمت قسم اول ...

... خوشنما رنگ ... نہایت ... ان کی خوبصورتی اور نفاست ... منگوا سکتے ہیں ... جلد منگائیے ... نمبر (۱) ... نمبر (۲) ...

پتہ :- منیجر دی حمیدیہ ٹریڈنگ کمپنی کشمیری بازار۔ لاہور۔

او ہم تبلا میں پچاس ہزار مریض کس طرح صحت یاب ہوئے

طاقت بخش خون افزا
روح نما مرکب

اعصاب میں جو حس و حرکت اور دماغ میں جو عقل و فراست و تمیز کی قوتیں خدائی ہیں اور اعضاے رئیسہ میں جو شعور کام کرنے کا ہے وہ سب ایک برقی مادہ خدا نے جسم میں پیدا کیا ہے اس سے یہ کل جسم اور کل کے ... ذریعے ہیں جب ہماری ہو ہوتی ہے وہ مادہ درہم برہم ہو جاتا ہے تو اندرونی عضو وہ کام کرنا بھول جاتے ہیں مثلاً اگر ہم چھوٹی عمر میں ہی نامناسب اور ناشائستہ حرکات کریں تو شانہ اور اوعیہ منی مردی کے افعال ترک کر دیتے ہیں کثرت شراب اور عیاشی سے برقی مادہ جسم سے کم ہو جاتا ہے دماغ جگر اور برقی سسٹم و نظام خون وغیرہ تباہ ہو جاتے ہیں اسیطرح چانڈو افیون اور بھنگ وغیرہ کے استعمال سے اعضا میں وہ مادہ دور نہیں سکتا کیونکہ منفذ عروق و اعصاب کی راہ خراب ہو جاتی ہے ٭

یہ مرکب گویا روح رواں اعضائے رئیسہ ہے اسکے وجود سے حیات روح ہوتی ہے

ورنہ روح بیمار جسم کے لئے وبال جان ہوتی ہے ٭

یہ مرکب نامردی اور ضعف اعصاب کا شرطیہ علاج ہے ٭

اس جوہر کو جیون بوٹی کہنا نہیں مناسب ہے جوان کو بڑھاپے سے روکتی ہے اور بڈھوں کو نوجوانوں کی طرح لطف اٹھانے کے قابل بناتا ہے صرف ایک دو شیشی سے چہرہ سرخ اور جسم فربہ ہو جاتا ہے جس سے بھوک خوب لگتی ہے ٭

قیمت فی شیشی چار روپے (للعہ)

دوائی درد کان

ضیق النفس دمہ

دوائی ماہواری

یہ ملنے کا پتہ ... الشافی حکیم ڈاکٹر غلام نبی زبدۃ ...

مطبوعہ [illegible] اسٹیم پریس لاہور